جلد 25 شمارہ 6 ماہ جون 2023ء ذیقعد/ذی الحج 1444ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبّت

اللّٰہ

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کوفروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اوراس کی رضاولقاء کے حصول کومقصودحیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار ؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

بانئ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر اوقات بھائی آپؒ سے رزق کی تنگی کا شکوہ کرتے اور دُعاوغیرہ کیلئے کہا کرتے تھے۔جس کے جواب میں آپ گاہے بہ گاہے مختلف مشوروں سے بھی نوازتے اور دُعا بھی کرتے۔ بیشتر اوقات آپؒ جس بات کا اعادہ کرتے وہ اس قرآنی عقیدے کا ہوتا کہ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رزق کی تقسیم میں ناپ وتول اور کمی بیشی کو اپنی حکمت اور تقدیر بتایا ہے۔ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''اللہ نے قرآن میں بتایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں میں سے کسی کو نپا تُلا اور کسی کو بے حساب رزق دیا ہے تو اے سالکانِ راہِ خدا تم کیوں اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتے اور اس کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہو۔''

قبلہ انصاریؒ کی دی گئی اگرچہ تمام تعلیمات حیات افروز اور قربِ الٰہی کا موجب ہیں مگر مذکورہ عقیدے کا قائم ہوجانا حقیقی توحید اور اعلیٰ ترین ایمان کی دلیل ہے۔سورۃ الزمر کی آیت 49 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''جب ہم انسان کو اپنی طرف سے نعمت عطاء کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھے اپنے علم کی بنیاد پر ملی ہے۔نہیں، بلکہ وہ ایک آزمائش ہوتی ہے مگر ان میں اکثر نہیں جانتے۔اسی سورۃ کی آیت 52 میں ارشاد

ہے: ''بے شک اللہ رزق کشادہ کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے اور وہی تنگ کرتا ہے، جس کیلئے چاہتا ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔''

مذکورہ قرآنی عقیدے کی بنیاد پر اگر آج ہم سب اپنا اپنا جائزہ لیں اور جاننا چاہیں کہ ہم اس حوالے سے کہاں کھڑے ہیں تو چند سیکنڈ میں حقیقت ہم پر آشکار ہو جائے گی۔ اگر ہم مادّی حوالے سے دنیا میں اپنے منصب، علم و سرمایہ اور دیگر کامیابیوں کو اپنا کمال نہیں سمجھتے تو ہمیں اس فکر پر شکر خداوندی بجالانا چاہیے مگر یادرہے! اس کا زبانی اظہار کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ قلب کے اندر پایا جانیوالا احساس ہے جو صرف بندے اور خدا کے درمیان پایا جاتا ہے۔

اس ضمن میں نہایت ہی اہم نکتہ جس پر بانئ سلسلہؒ نے بہت ہی زیادہ زور دیا ہے وہ عمل پیہم ہے یعنی صبح سے شام تک اور اپنی تمام تر ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مرتے دَم تک مسلسل کام کرتے چلے جانا کہ جس میں تساہل کا شائبہ تک نہ ہو۔ اس درجے کا عمل کرنے کے بعد اس نتائج کو سپرد خدا کر دینا اور اس پر راضی ہو جانا ہی مومنانہ شان اور ایک سچے توحیدی کی علامت ہے۔ اللہ کریم سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں قرآنی عقائد کے مطابق اپنی فکر کو ڈھالنے میں ہماری مدد ونصرت فرمائے۔

آمین

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط

مکتوب نمبر ا

(بنام شیخ اصغر 19/11/1960)

ا

جولوگ کہنا پوری طرح مانتے ہیں اور بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہیں ہمیشہ دین و دنیا میں سرخرو رہتے ہیں جو شکایتیں کرتے ہیں اور خود کچھ نہیں کرتے وہ یہاں بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور وہاں بھی اٹھائیں گے سارجنٹ محمد صاحب پر خاص توجہ کرنا مگر ان کو خوب سمجھا دیں کہ اللہ کا ملنا کسی محبوب مجازی کا ملنا نہیں ہے کہ دو چار ماہ اس کے گھر کے چکر لگائے اور کچھ روپیہ خرچ کیا اور دیدار حاصل ہو گیا یہاں تو وہ اگر عمر بھر بھی نہ ملے اور مرتے وقت ایک جھلک نظر آجائے تو بھی بہت سستا سودا ہے کیونکہ اس کے بعد ایسے طالب کا حشر اللہ کی گود کے سوا کہیں نہیں ہو گا بس یہی خاص ہدایت ان کے لیے ہے کہ جلدی بالکل نہ کریں کہنے کے مطابق عمل کرتے رہیں اخلاق کا تزکیہ کریں غصہ اور نفرت سے دل کو پاک کریں اور تبتل الیہ تبتیلا پر پورا عمل کریں ایک معزز مہمان کو بلانا ہو تو آپ گھر کو خوب صاف کرتے ہیں کوڑے کرکٹ، میل مٹی گرد سے گھر کو پاک کرتے ہیں سفیدی کراتے ہیں تب اس مہمان کو بلاتے ہیں اللہ کا گھر انسان کا دل ہے لہٰذا جب تک دل کو اس کے تشریف لانے کے قابل نہ بناؤ گے وہ کیسے آئیں گے اور دل کی میل مٹی اور کوڑا کرکٹ یہی غم غصہ، غیبت غرور حسد نفرت بدگوئی بدظنی وغیرہ جیسی باتیں ہیں ان سب کی نفی کرو اور ذکر و عبادت کی سفیدی اس میں

کراؤ۔اخلاق حسنہ کے پھولوں (جس میں محبت اور صداقت سب سے اچھے پھول ہیں) سے اسے سجاؤ پھر دیکھو کہ وہ کیسے جلوہ آرا نہیں ہوتے میری حلقے والوں کو پہلی نصیحت ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنا اخلاق رسول اللہ ﷺ جیسا بناؤ زبان شیریں ہو،حرکات ملائم اور شائستہ ہوں سب سے محبت ہو حق پر قائم رہو برائی کا بدلہ بھلائی سے اور سختی کا جواب نرمی سے دو خدمت کرو اسی کا نام نیکی اور ولایت اور بزرگی ہے قلب میں لاکھ گرمی ہو جذب ہو کشف ہوتا ہو کرامات سرزد ہوتی ہوں لیکن اگر اخلاق اچھا نہیں تو یہ سب محض شیطانی باتیں ہیں اخلاق اچھا ہو تو یہی رحمانی صفات ہیں دنیا کے کام اور منصبی ڈیوٹیاں ایمان داری جوش خوشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیں ہر وقت اللہ کو یاد رکھیں اور اس سے محبت بڑھاتے رہیں اللہ کے سوا کسی کو قادر یا تقدیر کا بنانے اور بگاڑنے والا نہ مانیں عزت البتہ سب بزرگوں کی کریں یہی سیدھا راستہ ہے یہ خط اور سب کو بھی سنا دیں آپ کے دنیا کے کام بھی ان شاءاللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے دنیا کے خیالات کو اللہ کی یاد پر ہرگز غالب نہ آنے دیں۔

مکتوب نمبر ۲

پرانی قسم کی فقیری

(بنام محمد قاسم صاحب 03/11/1965)

اللہ تعالیٰ حلقہ کے تمام احباب کو اخلاق محمدی ﷺ سے آراستہ فرمائے اور ایمان کامل عطا فرمائے اور دنیاوی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمائے کام بہت مشکل ہے پرانی قسم کی فقیری کا خیال لوگوں کے دماغ میں ایسا جما ہوا ہے کہ میری تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھا سکے اللہ کرے ان کو سمجھ میں آجائے آمین۔

مکتوب نمبر ۳۴۸

اخلاق وشرافت کا نام فقر ہے

(بنام محمد قاسم صاحب (15/1/64)

مولوی عارف صاحب کو میری طرف سے کہہ دیں کہ ہمارے حلقہ میں کسی فقیر وغیرہ کو لے کر نہ آیا کریں ورنہ ان کے لیے اچھا نہ ہوگا وہ تو فقر کو مذاق جانتے ہیں بہر حال اب جو صاحب آگئے ہیں یا آئندہ آجائیں تو ان سے بداخلاقی سے پیش آنا بھی برا ہے یہ لوگ نہ فقیری سے واقف ہیں نہ آداب سلوک سے فقر تو سراسر اخلاق ہے یہ لوگ اخلاق کی الف، بے، تے، بھی نہیں جانتے دستور اخلاق میں کہاں جائز ہے کہ کسی مجلس میں بغیر بلائے چلے جاؤ اور اگر چلے بھی جاؤ تو وہاں جا کر اپنی طاقت اور علم کا مظاہرہ کرو یہ نہایت ہی جاہل اور احمقوں کا کام ہے یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور عارف صاحب سے تو میں اس بات پر بہت ناراض ہوں ان سے کہہ دینا اور دل چاہے تو یہ خط بھی پڑھا دینا میں لوگوں کو اخلاق محمدی ﷺ سکھاتا ہوں اور یہ وہی لفنگا پن سکھاتے ہیں آپ اس ملنگ کو منع کر دیں کہ ہمارے ہاں مت آیا کرو اس سے ہمارے حلقہ کی سنجیدگی اور متانت میں فرق پڑے گا ولایت میں شرافت کا پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے جو شریف نہ ہو وہ ولی اللہ کیسے بن سکتا ہے روحانی طاقت کا پیدا ہونا ولایت نہیں ہے یہ تو کافروں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے جب تک شرافت نہ ہو آداب سلوک و آداب مجلس نہ آتے ہوں اخلاقی برائیوں اور خوبیوں کا پتہ نہ ہو یعنی جب تک شرافت کی تکمیل نہ ہو ولایت کی چوکھٹ تک آدمی نہیں پہنچتا یہ سب جاہل ہیں آپ کو ان سے ڈرنے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔

ہم اپنے حلقہ کو کباڑ خانہ نہیں بنانا چاہتے ہم تو پہلے ایک شریف انسان بناتے ہیں پھر آگے چلاتے ہیں اگر وہ ملنگ شریفوں کی طرح حلقہ میں بیٹھے اور شریفانہ طرز اختیار کرے تو وہ آپ کو اختیار ہے کہ اسے آنے دیں یا منع کر دیں۔

شریفوں میں طاقت آجاتی ہے یا اختیار مل جاتا ہے تو وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتے تنگ نہیں کرتے بلکہ خدمت و تعمیر میں مصروف رہتے ہیں کمیوں کو طاقت مل جاتی ہے تو وہ لوگوں کو دکھاتے، شیخی مارتے اور ستاتے پھرتے ہیں دوستوں کو سلام محبت کے بعد کہہ دیں کہ روحانی طاقت بلند کرنے کے لیے اخلاق بلند کرنا ضروری ہے اس کا خیال رکھیں۔

مکتوب نمبر ۳۴۹

سختی و بداخلاقی کے مقابلے میں نرمی و خوش خلقی

(بنام اکبر مغل صاحب 30/11/71)

اخلاق کو بہتر بنانے کے لیے میں نے طریقت توحیدیہ میں لکھ تو دیا ہے آپ پڑھتے کیوں نہیں کہ غصہ اور نفرت کو بالکل نفی کر دو اور رب سے محبت کرو اور جو کام کرو حق کرو۔ جو کوئی آپ کے ساتھ زیادتی یا سختی کرے یا بداخلاقی سے پیش آئے اس کے ساتھ اتنی ہی زیادہ نرمی، خوش اخلاقی اور نیکی سے پیش آؤ۔

مکتوب نمبر ۳۵۰

اخلاق پر زور

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 02/12/71)

- اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح ہمیشہ انہی کی ہوتی ہے جن کا اخلاق مدمقابل سے اچھا ہو۔

خانقاہی نظام

(مولانا واحد بخش چشتی)

تاریخ شاہد ہے کہ تبلیغ اسلام کے میدان میں جس قدر کامیابی خانقاہی نظام کو حاصل ہوئی ہے کسی اور تبلیغی ادارہ کو نہیں ہوئی۔اس کی وجہ یہ ہے جہاں دیگر تبلیغی اداروں میں علامات مرض کا علاج کیا جاتا رہا ہے خانقاہی نظام میں وجوہات مرض کا کھوج لگا کر اس کو جڑوں سمیت باہر نکال پھینکا جاتا ہے۔خانقاہی نظام سے مراد اولیاء کرام اور مشائخ عظام کے وہ تعلیمی،تبلیغی اور تربیتی مراکز ہیں جو عالم اسلام میں رسول خدا ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک مختلف سلاسل طریقت کے اکابرین نے نسلاً ہر ملک میں نہیں بلکہ ہر علاقے،ہر صوبے،ہر گاؤں اور ہر شہر میں قائم کیا اور جن کی تعداد جال کی طرح ہمیشہ پھیلتی اور بڑھتی رہی ہے اب بھی بڑھ رہی ہے اور ہمیشہ بڑھتی رہیگی۔ویسے تو رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کرام نے کسی نہ کسی حیثیت سے تبلیغ اسلام میں حصہ لیا لیکن چونکہ ہمارے ریکارڈ پر اس وقت صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ سے منسوب سلاسل طریقت نظر آ رہے ہیں یا پھر ائمہ اہل بیت کی طرف سے جتنے سلاسل طریقت وجود میں آئے اگر ایک ایک صحابی کے کم ازکم چار خلفاء اور پھر اُن خلفاء میں سے ہر ایک کے چار خلفاء اور پھر اُن خلفاء میں سے ہر ایک کے کم ازکم چار خلفاء کا حساب لگایا جائے تو چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں مشائخ اسلام کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے لیکن حقیقت کی رُو سے یہ چار خلفاء کی شرح بہت کم لگائی گئی ہے بعض مشائخ کے خلفاء کی تعداد تو سینکڑوں اور ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور پھر اُن سینکڑوں ہزاروں نے اپنے اپنے مقام پر تبلیغی اور تربیتی مراکز قائم کیے جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہوئے۔اسی

طرح خانقاہوں اور مبلغین اسلام کی تعداد بڑھتی گئی جس کی بدولت اسلام بہت ہی قلیل مدت میں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا اور لاکھوں کروڑوں کفار مشرف با اسلام ہوتے رہے۔

خانقاہی نظام کی حقیقت اور اہمیت:

خانقاہی نظام کی یہ حیرت انگیز اور عدیم المثال ترقی کس وجہ سے ہوئی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس طریقہ تبلیغ میں عام تبلیغی اداروں کی طرح صرف مجالس پندو نصیحت اور وعظ وتقاریر سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ ایک اعلیٰ ہوسٹل (قیام گاہ) یا فنی تربیت گاہ کی طرح طالبین کو کئی سال پاس رکھ کر مشائخ عظام نے نہ صرف ظاہری علوم پڑھانے میں مصروف رکھا بلکہ ان کے کردار کی تربیت کی ذمہ داری بھی سنبھال لی اور اوراد و اذکار، مشاغل، مراقبات، عبادات، ریاضات اور مجاہدات کی چکی میں ڈال کر ان کا اس قدر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کرایا کہ مسِ خام کو کندن بنا دیا اور نفس کی تمام آلائشوں سے پاک وصاف ہو کر ایسے مردانِ خدا وجود میں آئے کہ اُن پر ملائک بھی رشک کھائیں، حیرت کا مقام ہے کہ ایک صوفی ہے جس کا نام یوسف بن حسین رازی ہے۔ اس پر عرب کے ایک بادشاہ کی شہزادی عاشق ہو جاتی ہے۔ کافی دن انتظار کے بعد شہزادی کو ایک رات ملنے کا موقع ملتا ہے اور وہ آکر یوسف بن حسین کے سامنے گر جاتی ہے۔ لیکن شہزادی کا حسن و جمال اور جاہ وجلال اس مردِ خدا کو بالکل مرعوب نہیں کرسکتا۔ وہ وہاں سے بھاگ کر اپنا ایمان اور عصمت بچا لیتے ہیں۔ وہ اُسی رات خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان محل ہے جس کے اندر ایک شاندار تخت پڑا ہے اور اس تخت پر ایک بادشاہ شکل کا آدمی بیٹھا ہے جس کے گرد اگرد لوگ سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ یوسف نے اُن میں سے ایک آدمی سے پوچھا کہ تخت پر وہ کون جلوہ گر ہے اور تم لوگ کون ہو۔ اس نے جواب دیا کہ جو شخص تخت پر بیٹھا ہے وہ پیغمبر خدا حضرت یوسفؑ ہیں اور ہم

خدا کے فرشتے ہیں۔حضرت یوسفؑ کو بارگاہِ ربُ العزت سے حکم ملا ہے کہ جاؤ اور یوسف بن حسین رازی کی زیارت کرو۔یہ سنتے ہی یوسف بن حسین پر گریہ طاری ہوگیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے کہ میں کون ہوں کہ خدا کا پیغمبر میری زیارت کو آئے۔اس کے بعد حضرت یوسفؑ تخت سے اُتر کر یوسف بن حسین کے پاس آئے اور اُن سے بغلگیر ہوکر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور فرمانے لگے کہ جس وقت اُس خوبصورت شہزادی نے اپنے آپ کو تمہارے سامنے گرایا اور تم اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یوسف دیکھو ایک تم یوسف ہو جس نے زلیخا سے بچنے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا اور ایک وہ یوسف ہے جس نے شہزادی سے بچنے کے لئے راہِ فرار اختیار کی۔لہٰذا حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ فرشتوں کے ساتھ جا کر یوسف بن حسین کی زیارت کرو اور اس کو میری یہ خوشخبری سناؤ کہ تم ولی اللہ ہو۔یہ ہے کمال تزکیہ نفس جو زبانی پندو نصیحت سے نہیں بلکہ خانقاہوں اور زاویوں میں سالہا سال مجاہدات کی چکی میں پسنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

ہمیں علمائے ظواہر پر ہنسی آتی ہے کہ اُن میں سے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اسلامی عبادت کے ایک مختصر پروگرام کو صوفی لوگوں نے نہ جانے کیوں اس قدر مشکل بنا دیا ہے کہ رات بھر جاگ کر اور مسلسل روزے رکھ کر اپنے آپ کو سزا دیتے ہیں۔تن آسانی کے دلدادہ لوگوں کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول خدا ﷺ جیسی گناہوں سے پاک ہستی جن کو اشرف انبیاء، سید الانبیاء اور باعث تخلیق کائنات ہونے کا شرف حاصل ہے وہ بھی ساری رات نوافل میں اس شدت سے کھڑے رہتے تھے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ہم سب کو معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو دشمنانِ اسلام کے ساتھ جہاد میں کس قدر جانفشانی، مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوا اور

اسلام کی خاطر جانیں قربان کر دیں لیکن اس جہاد کو آنحضرت ﷺ نے جہاد اصغر یعنی چھوٹا جہاد قرار دیا ہے۔ جب آپ ایک لڑائی سے واپس آئے تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ:

ترجمہ: (آج ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں) جب صحابہ نے عرض کیا کہ حضور بڑا جہاد کیا ہے تو فرمایا کہ جہاد بالنفس یعنی اپنے نفس کے ساتھ جہاد ۔اس سے ظاہر ہے کہ نفس کے شر اور اس کی خصائل رذیلہ مثل تکبر' کے لئے جہاد بالسیف کو بھی جس میں صحابہ کرامؓ کو سر کٹوانے پڑے جہاد بالنفس کے مقابلہ میں چھوٹا جہاد کہا گیا ہے۔ مذکورہ بالا عالم نے مسلمانوں کو جس شب بیداری سے بچنے کا مشورہ دیا ان کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے (**تتجافیٰ جنوبهم عن المضاجع**) فرما کر اُن لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو رات بھر بستروں کو چھوڑ کر یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں ۔ایسے عالموں نے شاید قرآن کی یہ آیت بھی نہیں پڑھی (**یبیتون لربهم سجداً وقیاما**) ۔جس میں حق تعالیٰ نے اُن مردانِ مجاہد کی ستائش فرمائی ہے جو رات بھر نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔

غرضیکہ خانقاہی نظام نے ایسے مرد مجاہد پیدا کیے ہیں کہ جو صدق وخلوص کا پیکر، حرص وہوا سے پاک، نفسانی خواہشات سے مبرا۔طمع ولالچ سے مصفے اور ایثار وقربانی کے نمونہ تھے ۔یہ کس کا کمال ہے دراصل یہ اُن مشائخ عظام اور اولیاء کرام کا کمال ہے جو ان تربیتی مراکز کو چلا رہے تھے اور دن رات کی محنت سے جانوروں کو انسان اور انسانوں کو بہترین انسانوں اور فرشتوں میں متبدل کرر ہے تھے ۔ ان مردانِ مجاہد اور مشائخ جاں فروش کو بسا اوقات شدید افلاس کا سامنا ہوتا تھا۔ خود بھی فاقے کرتے تھے اور اہلِ خانہ کو بھی بھوکوں مارتے تھے اور چیتھڑوں میں ملبوس ہو کر اسلام کی شمع ہر قیمت پر برقرار اور روشن رکھنے میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے ۔لیکن کس قدر اندھیر اظلم اور غضب ہے کہ یار لوگ

ان ستودہ صفات بزرگوں کی ان قربانیوں کو کاہلی سستی اور جمود سے تعبیر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو جو انحطاط اور زوال ہوا اس کا ذمہ دار خانقاہی نظام کو ٹھہراتے ہیں اور یہاں تک کوہر فشانی کرتے ہیں کہ صوفی لوگوں نے قناعت اور صبر کا سبق پڑھا کر قوم کو برباد کر دیا ہے۔ سبحان اللہ! ان کے نزدیک قناعت اور صبر جس کی قرآن و احادیث میں درخشندہ الفاظ میں تعریف ہے ان حضرات کے نزدیک مذموم ہے۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تبلیغ اسلام کا مشن ہو یا تعلیم و تربیت کا ادارہ یہ ایک ہمہ وقت پیشہ Whole Time Job ہے۔ اگر رسول خدا ﷺ بھی منصب نبوت پر یعنی ہدایت خلق کے کام کے ساتھ روزی کمانے کے لئے تجارت یا کوئی اور پیشہ اختیار فرماتے تو تبلیغ دین کا کام کیسے مکمل ہو سکتا تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول منتخب ہو گئے تو دوسرے دن آپ حسب معمول کپڑے کے تھان کندھے پر اٹھا کر فروخت کرنے جا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ حضرت آپ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ روزی کمانے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر خلافت کے فرائض کون انجام دے گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ پھر بال بچوں کو کیا کھلاؤں۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت المال سے کچھ رقم لے کر گزارہ کر لیا کریں۔ چنانچہ مجبور ہو کر اسلامی سلطنت کے سربراہ نے بیت المال سے چودہ درہم (ساڑھے تین روپے) حقیر سی رقم ماہانہ اپنے لئے مقرر کر لی۔ جس سے بمشکل دو وقت کا کھانا نصیب ہوتا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میٹھا کھانے کی خواہش ہے انہوں نے جواب دیا کہ اس رقم میں تو پھیکا بھی مشکل سے ملتا ہے میٹھا کیسے تیار ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے روزانہ ایک پیسہ جمع کرنا شروع کر دیا جب ایک ماہ کے بعد آٹھ آنے جمع ہو گئے تو انہوں نے گڑ خرید کر میٹھا تیار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا کہ یہ میٹھا کس طرح تیار کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک پیسہ روزانہ بچاتی رہی ہوں جس سے ایک مہینے میں آٹھ آنے جمع ہو گئے۔ آپ نے

فرمایا اچھا میری تنخواہ سے آٹھ آنے ماہوار کی بچت ہوسکتی ہے ۔لہذا آج سے میری تنخواہ ساڑھے تیرہ درہم ماہانہ ہوگی ۔اسی طرح حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں نان جویں پر گزارہ کرتے تھے ۔ایک دفعہ آپ کے ایک دوست نے دیکھا کہ جو کی روٹی کھا رہے ہیں اور ہر نوالے کے بعد اُسے حلق سے نیچے اتارنے کے لئے پانی کا گھونٹ پیتے ہیں ۔انہوں نے کہا اے امیر المومنین آپ اسلام کی ایک اہم شخصیت ہیں جسے اپنی صحت برقرار رکھنا ضروری ہے لہٰذا اگر آپ گندم کی روٹی کھائیں تو اس سے کون سی خرابی واقع ہو جائے گی ۔حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں گندم کی روٹی کھانے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ تم مجھے یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ ساری اُمت میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو جو کی روٹی نہیں کھاتا ۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ خواہ سربراہ مملکت ہوں یا مبلغین دین کے یہ کام ہمہ وقت کے پیشے ہیں اور چوبیس گھنٹے لیتے ہیں ۔لہٰذا مشائخ عظام نے مسلمانوں کی رشد وہدایت کا جو منصب سنبھالا انہوں نے اپنے آپ کو ساری عمر کے لئے اسلام کی خاطر وقف کر دیا جس سے نہ ان کو کوئی پیشہ اختیار کرنے کی فرصت ہوتی تھی نہ تجارت یا کھیتی باڑی کر سکتے تھے ۔اگر روزی کمانے کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرتے تو دین متین کا کام ناممکن تھا ۔اس لئے انہوں نے فقر و فاقہ اختیار کیا ۔اپنے عزیز و اقارب کو بھوکوں مارا ۔دشمنوں کے طعنے سُنے لیکن تبلیغ کے کام کو نہ چھوڑا ۔اور اگر وہ لوگ اس قدر جانفشانیوں اور عظیم قربانیوں سے خدمت دین انجام نہ دیتے تو آنے والی نسلوں کو دین نصیب نہ ہوتا اور راستے ہی میں رہ جاتا ۔

آج کل جرائم کا انسداد کیوں نہیں ہونے پاتا

مشائخ عظام کی قربانیوں اور ان کے مشن کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ آجکل کی حکومتیں انسداد جرائم کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں ۔حکومت کی پوری مشینری فوج ،پولیس ،عدلیہ ،انتظامیہ ان کی پشت پناہی کر رہی ہے جا بجا سکول و کالج

کھولے جا رہے ہیں ریڈیو، ٹی وی پر اصلاح معاشرہ کے بہت پروگرام نشر ہو رہے ہیں لیکن جرائم ہیں کہ رکنے میں نہیں آتے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے قلوب کی اصلاح نہیں ہوتی۔ قلوب کی اصلاح تزکیہ نفس سے ہوتی ہے اور تزکیہ نفس کا کام ٹی وی اور ریڈیائی نشریات سے نہیں ہوتا۔ بلکہ کثرت ذکر سے ہوتا ہے۔

اولیاء کرام اور علماء کی تعلیمات میں فرق:

اگر چہ علماء کی تقاریر سے مسائل کا علم ہو جاتا ہے لیکن اس سے تزکیہ نفس کما حقہ، حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے جو طریقہ تزکیہ نفس بیان فرمایا ہے۔ یہ ہے (تحقیق راتوں کا جاگنا نفس کشی کے لئے بہت موثر ہے جس سے قول مضبوط ہوتا ہے) قول کے مضبوط ہونے سے مراد قال کا حال میں تبدیل ہونا ہے۔ مولانائے رومؒ نے قال کو حال میں تبدیل کرنے کا کیا عُمدہ نسخہ بتایا ہے جو مندرجہ بالا اصول قرآن کے عین مطابق ہے۔ فرمایا۔

قال را بگذار و مرد حال شو

پیش مرد کاملے پامال شو

(زبانی قیل و قال کو چھوڑ دو اور اپنے اندر حال پیدا کرو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی انسان کامل کی خدمت میں جا کر اس کے پاؤں کی خاک بن جاؤ۔) کیونکہ مردِ کامل کے بغیر نہ کسی کو راہِ حقیقت کے نشیب و فراز کا علم ہوتا ہے اور نہ نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ خداوند عالم تک رسائی اُسی مرد مومن کی راہنمائی سے ہو سکتی ہے جو خود عملی طور پر ان راستوں سے گزر چکا ہو۔ قرآن حکیم کے حکم کُوْنُوا مَعَ الصَّادِقِین (صادقین یعنی اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرو) میں وہی مردِ کامل کی راہنمائی کی ضرورت کی طرف اشارہ ہے۔ علمائے ظواہر اور اولیاء کرام کے طریق کار میں یہ فرق ہے کہ جہاں علماء کرام شربت کے بے

شمارفوائد پر شاندار تقریر کر کے لوگوں کو اس کی خوبی سے آگاہ کرتے ہیں۔اولیاءکرام تقریر کی بجائے خود شربت پیاسے کے حلق میں ڈال کراُسے سیراب کر دیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ پیاسے کی پیاس تقریر سے نہیں شربت پینے ہی سے بجھتی ہے۔اولیاءکرام سالکین وطالبین کو سامنے بیٹھا کر لا الہ الا اللہ کی ضربیں ان کے قلوب پر لگواتے ہیں جس سے قلوب زندہ ہو کر ذاکر ہوجاتے ہیں۔چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر وقت ان کے قلب ذکرالٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔قرآن عظیم کی آیت یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَّ عَلیٰ جُنُوْبِھِمْ (مردانِ خدا وہ ہیں جواُٹھتے بیٹھتے اورسوتے ہوئے ذکرالٰہی میں مشغول ہیں) سے یہی دائمی ذکر مراد ہے۔نیز فرمایا کہ میرے بندے میرے دائمی ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔چنانچہ رسول خداﷺ کی سنت اور طریقے کے مطابق اولیاءکرام نے اسلامی دنیا میں سلاسل طریقت کی عالمگیر تنظیم اور خانقاہی نظام کے جابجا مراکز کی بدولت جو خلق خدا کے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا عمل جاری کیا اس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔اس تنظیم سے عوام کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا ہوگیا۔تزکیہ نفس سے خصائل رذیلہ مثلِ تکبر،عداوت،عناد،حرص وہوس کا خاتمہ ہوا اور باہمی محبت،ایثار،ہمدردی،بہی خواہی اور خوش خلقی اور خوش معاملگی کی ایسی فضا پیدا ہوئی کہ درندہ صفت لوگ فرشتے بن گئے۔تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں عوام صوم وصلوٰۃ اور نیک کاموں کے اس قدر عادی ہوگئے تھے کہ نماز کے وقت مساجد بھر جاتی تھیں اور لوگ اشراق پڑھ کر مساجد سے باہر آتے تھے۔جس کی وجہ سے صبح کے وقت دودھ دہی بیچنے والوں کی عورتیں اور بچے دکانیں سنبھالتے تھے کیونکہ مرد لوگ مساجد میں ہوتے تھے۔

سٹاک ایکسچینج

(جاوید چوہدری)

''مجھے بھی آج تک وجہ سمجھ نہیں آئی''اس نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا''میں نے دوبارہ پوچھا''لیکن کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی''تم کامیابی کے کسی بھی فارمولے پر پورے نہیں اترتے'تعلیم واجبی'عقل اوسط درجے کی' کاروباری سٹیٹس نہ ہونے کے برابر حلیہ اور پرسنیلٹی بھی بے جان اور سونے پر سہاگا تم اپنے کاروبار کو بھی وقت نہیں دیتے ، ہفتہ ہفتہ دفتر نہیں جاتے لیکن اس کے باوجود تمہیں کبھی نقصان نہیں ہوا،سیلاب میں بھی سارے شہر کے گودام پانی میں ڈوب جاتے ہیں مگر تمہارے گودام میں پانی داخل نہیں ہوتا اور اگر داخل ہوجائے تو یہ تمہارے مال کو چھوئے بغیر چپ چاپ نکل جاتا ہے،تم لوہا بیچنا شروع کردو تو وہ چاندی کے برابر ہوجاتا ہے اور حتیٰ کہ تمہارے نلکے کا پانی بھی منرل واٹر ہے، آخر اس کے پیچھے سائنس کیا ہے؟''میری تقریر سن کر اس نے قہقہہ لگایا اور بولا''میں بھی اکثر اپنے آپ سے پوچھتا ہوں لیکن یقین کرو مجھے زندگی میں ایک واقعے کے سوا کوئی نیکی اپنی کوئی صفت نظر نہیں آتی،شاید اللہ کے کرم کی یہی وجہ ہو''وہ رکا اور بولا''میں نے نویں کلاس کے بعد سکول چھوڑ دیا تھا، میں شروع میں والد کے ساتھ فروٹ کی ریڑھی لگانے لگا'والد کا انتقال ہوگیا تو میں ایک آڑھتی کی دکان پر منشی بھرتی ہوگیا'دور دور تک کوئی امید نظر نہیں آتی تھی لیکن پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا'میں ایک دن اپنے ایک دوست کی کریانے کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا'وہاں درمیانی عمر کی ایک خاتون آئی'اسے دیکھتے ہی میرا دوست اس کے ساتھ بدتمیزی کرنے لگا'وہ اس سے پرانے پیسے مانگ رہا تھا جب کہ وہ مزید سودے کے لئے منتیں کررہی تھی'عورت مجبور

دکھائی دے رہی تھی جب کہ میرا دوست اس کے ساتھ غیر ضروری حد تک بدتمیزی کر رہا تھا‘ میں ان کی تکرار سنتا رہا‘ خاتون جب مایوس ہو کر چلی گئی تو میں نے اپنے دوست سے ماجرا پوچھا‘ اس کا جواب تھا‘ یہ بیوہ ہے‘ اس کا خاوند سعودی عرب میں کام کرتا تھا‘ خاندان خوش حال تھا لیکن پھر خاوند روڈ ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گیا اور اس کی زمین جائیداد پر اس کے دیوروں نے قبضہ کر لیا‘ اس کے پاس اب چھوٹے سے گھر کے علاوہ کچھ نہیں‘ دو بچیاں ہیں وہ سکول جاتی ہیں‘ یہ ان پڑھ اور بے ہنر عورت ہے‘ اس کا ذریعہ روزگار کوئی نہیں‘ سعودی عرب سے دو چار ماہ بعد خاوند کی تھوڑی سی پنشن آ جاتی تھی اور یہ اس میں گزارہ کر لیتی تھی مگر اب وہ بھی رک گئی ہے‘ میرے والد صاحب اسے ادھار راشن دے دیتے تھے لیکن یہ بھی اب تھک گئے ہیں لہٰذا میں جب بھی اسے دیکھتا ہوں تو میں اس سے اپنے پیسے مانگ لیتا ہوں‘ یہ ہمارا روز کا تماشا ہے‘ تم چھوڑو یہ بتاؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟‘‘ وہ رکا اور ہنس کر بولا‘‘ یہ ایک عام سی کہانی تھی ایسے کردار ہر شہر‘ ہر قصبے میں کروڑوں کی تعداد میں ہیں‘ آپ کسی کریانہ سٹور پر چلے جائیں‘ آپ کو ایسے بیسیوں لوگ مل جائیں گے مگر پتا نہیں مجھے کیا ہوا؟ میں نے اپنے دوست سے اس کا پتا لیا‘ اس کے خاوند کا نام پوچھا‘ بازار گیا‘ دو ہفتوں کے لئے کھانے پینے کا سامان خریدا‘ بوری بنائی اور جا کر اس کے دروازے پر دستک دے دی‘ وہ اپنی چادر سنبھالتے ہوئے باہر آ گئی‘ پانچ اور سات سال کی دو بچیاں بھی اس کے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئیں‘ میں نے سودا ان کی دہلیز پر رکھا اور ادب سے عرض کیا‘ میرے والد ارشد صاحب مرحوم کے دوست تھے‘ وہ مجھے قرض کی ادائیگی کا حکم دے گئے ہیں‘ میرے حالات سر دست اچھے نہیں ہیں اور میں یہ رقم ایک مشت ادا نہیں کر سکتا‘ میری تنخواہ کم ہے‘ آپ اگر مجھے اجازت دیں تو آپ کو پندرہ دن بعد گھر کا سودا دے دیا کروں گا‘ اس سے میرا قرض بھی اتر جائے گا اور آپ کے گھر کا نظام بھی چلتا رہے گا‘ وہ عورت اور اس کی بچیاں حیرت سے میری طرف دیکھنے لگیں‘ میں نے انہیں سلام کیا

اور واپس آ گیا‘میں اس کے بعد انہیں ہر پندرہ دن بعد راشن پہنچانے لگا“ وہ خاموش ہو گیا۔

میں نے اس سے پوچھا ”تم خود غریب تھے‘تم ان کے راشن کے لئے رقم کہاں سے لاتے تھے؟“ اس نے قہقہہ لگایا اور بولا ”تم شاید یقین نہیں کرو گے میں نے اپنی جیب سے صرف وہی سودا خریدا تھا‘پندرہ دن بعد ان کا سودا فری ہو چکا تھا“ وہ خاموش ہو گیا‘میں نے پوچھا ”کیسے؟“ وہ بولا ”میں اگلے دن دکان پر گیا تو میرے مالک نے مجھے مشورہ دیا‘ہماری دکان کا تھڑا خالی ہوتا ہے‘تمہارا کام شام کے وقت سٹارٹ ہوتا ہے اور وہ بھی تم گھنٹے میں ختم کر دیتے ہو اور سارا دن فارغ بیٹھے رہتے ہو‘میں تمہیں چاول اور دالیں دے دیتا ہوں‘تم یہ تھڑے پر رکھو اور پانچ پانچ‘دس دس کلو بیچ دو‘تمہیں اس سے فائدہ ہو جائے گا‘غلہ منڈی میں تھوک کا کام ہوتا تھا‘ہمارے پاس پانچ دس کلو کے بے شمار خریدار آتے تھے لیکن ہم ان سے معذرت کر لیتے تھے‘مجھے یہ آئیڈیا اچھا لگا‘میں اپنے مالک سے دالیں‘چاول اور چینی خریدتا تھا‘اس کے پانچ پانچ اور دس دس کلو کے پیکٹ بناتا تھا اور کھڑے کھڑے بیچ دیتا تھا‘آپ یقین کریں دو ہفتوں میں میری آمدنی چار پانچ گنا بڑھ گئی اور میں پندرہ دن بعد جب اس بیوہ کے گھر گیا تو میرے پاس سودا بھی ڈبل تھا اور جیب بھی ٹھیک ٹھاک بھاری تھی‘میں نے ایک ماہ بعد اسے بچیوں کی فیس‘کپڑوں اور جوتوں کے لئے بھی رقم دینا شروع کر دی‘اللہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں دو سال بعد اس دکان کا مالک تھا جس پر میں منشی ہوتا تھا‘وہ دکان بعد ازاں پورے کمپلیکس میں تبدیل ہو گئی اور میں دکان دار سے سیٹھ بن گیا‘میں منڈیوں میں اجناس سپلائی کرنے لگا اور آج میں تمہارے سامنے ہوں‘مجھے کبھی نقصان نہیں ہوا‘کیوں نہیں ہوا؟‘شاید اس کی وجہ وہ عورت اور اس کی دو بچیاں تھیں‘دو بچیاں بڑی ہوئیں‘ایک ایم بی بی ایس کر کے ڈاکٹر بن گئی‘دوسری نے بی اے کے بعد بیوٹی پارلر بنا لیا‘وہ اب چودہ پندرہ سیلون چلا رہی ہے جب کہ آنٹی ایک یتیم خانہ اور بیوہ گھر چلا رہی ہے“ وہ ایک بار پھر رک گیا‘میں

نے اس سے پوچھا ''تم نے اس کے بعد کیا کیا؟'' وہ ہنس کر بولا ''مجھے نیکی کا چسکا پڑ گیا' میں نے اس کے بعد اس جیسے گھرانوں کو راشن دینا اور فیملیز کی مدد کرنا شروع کر دیا' میں پہلے اپنی کمائی کا دس فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا اور یہ اب آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے 60 فیصد ہو چکا ہے' میرے منافع کا 60 فیصد اللہ کی راہ پر خرچ ہوتا ہے' میں اپنی ذات کے لئے صرف 40 فیصد رکھتا ہوں لیکن یہ 40 فیصد بھی بے انتہا ہے' میں روز صبح اٹھتا ہوں اور آنٹی کو دعا دیتا ہوں' وہ اگر اس دن میری زندگی میں نہ آتی تو میں شاید آج بھی کسی دکان پر منشی ہوتا اور سات آٹھ ہزار روپے تنخواہ لے رہا ہوتا' وہ آئی اور اس نے مجھے اس راستے پر ڈال دیا جس پر کامیابی اور خوش حالی کے پُل ہیں'' وہ خاموش ہو گیا۔ مجھے یقین ہے آپ کو یہ کہانی فرضی لگے گی اور آپ یہ سوچ رہے ہوں گے میرے پاس اس قسم کی کہانیاں گھڑنے کے علاوہ کوئی کام نہیں لیکن آپ یقین کریں یہ کہانی سو فیصد سچی ہے اور یہ صرف ایک کہانی نہیں ہے' دنیا میں ایسی لاکھوں کروڑوں مثالیں موجود ہیں' میں اپنے ملک میں ایسے درجنوں لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے اللہ سے تجارت کی اور یہ خود بھی ارب پتی ہو گئے اور ان کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے لئے بھی زندگی آسان ہو گئی' آپ کو اگر یقین نہ آئے تو آپ بھی زندگی میں ایک بار ایسا کر کے دیکھ لیں' آپ اٹھیں اور کسی بیوہ' کسی یتیم کا ہاتھ پکڑ لیں' آپ کسی طالب علم کی تعلیم کا خرچہ اٹھا لیں اور آپ اس کے بعد اللہ کا کرم دیکھیں' آپ کو اگر اس کے بعد خوش حالی مسرت اور کامیابی نصیب نہ ہو تو آپ اپنا نقصان مجھ سے وصول کر لیجیے گا' آپ یقین کریں دنیا میں صرف ایک ہی تجارت ہے اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے' دنیا میں صرف ایک سٹاک ایکسچینج ہے جس کا کاروبار کبھی بند نہیں ہوتا' جو کبھی مندے کا شکار نہیں ہوتی' جو کبھی کریش نہیں ہوتی اور وہ ہے اللہ کی سٹاک ایکسچینج لہٰذا میرا آپ کو مشورہ ہے آپ ایک بار اس سٹاک ایکسچینج میں کھاتا کھول کر دیکھیں' آپ کو تجارت کا مزہ آئے گا۔

بلاحساب جنت میں داخل ہونے والے

(پروفیسر احمد بن ولید العراقی)

بلاحساب:

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ نہ تو ان کا حساب ہوگا نہ ان کو عذاب ہوگا۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور اللہ تعالیٰ کی لپوں میں سے تین لپیں (مسلمانوں میں سے بغیر حساب کے اور بغیر سزا کے جنت میں جائیں گے)

اصحاب الجنتہ: جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی ندا کرے گا:

”میرے وہ بندے کہاں ہیں جنھوں نے میری فرمانبرداری کی تھی اور غائبانہ طور پر میرے عہد کی حفاظت کرتے تھے۔“

تو ایسے لوگ کھڑے ہوجائیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح یا خوب چمکدار ستارے کی طرح (روشن) ہوں گے یہ نور کی سواریوں پر سوار ہوں گے جن کی لگا میں سرخ یاقوت کی ہوں گی۔ جو ان کو لے کر تمام مخلوقات کے سامنے اڑتے پھریں گے حتیٰ کہ عرش الٰہی کے سامنے جا کر ٹھہر جائیں گے۔ ان کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

”سلام ہو میرے ان بندوں پر جنھوں نے میری اطاعت کی اور غائبانہ طور پر میرے عہد کی حفاظت کی۔ میں نے تم کو برگزیدہ کیا، میں نے تم سے محبت کی اور میں نے تم کو

پسند کیا۔ چلے جاؤ جنت میں اور بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ۔ تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے۔" وہ پل صراط سے اچک لینے والی (تیز) بجلی کی طرح گزر جائیں گے پھر ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد باقی مخلوقات میدان حشر میں پڑی ہوئی ہوں گی ان میں سے کوئی کہے گا:

"اے قوم! فلاں بن فلاں کہاں ہے؟"

جس وقت وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا:

ترجمہ: بے شک جنت والے آج اپنے مشغلوں میں خوش دل ہیں۔"

تین صفات کے حامل افراد:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "تین قسم کے لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔

1- وہ شخص جس نے اپنا کپڑا دھویا لیکن اس کو لگانے کے لئے اس کو خوشبو میسر نہ رہی۔

2- وہ شخص جس کے چولہے پر دو ہانڈیاں (ایک وقت میں) کبھی نہ چڑھی ہوں۔

3- وہ شخص جس کو پانی کی دعوت دی گئی مگر اس سے یہ نہ پوچھا گیا کہ تم کون سا پانی (شربت وغیرہ) پسند کرتے ہو۔"

کنواں کھودنے والا: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"جس آدمی نے ویرانے میں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے (مسافروں کے لئے) کوئی کنواں کھودا وہ بھی بغیر حساب جنت میں جائے گا۔"

فضیلت، صبر اور اہل محبت: حضرت علی بن حسینؓ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی ندا کرے گا:

"تم میں سے فضیلت والے کون ہیں؟"

انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا: "جنت کی طرف چلو!"
پھر ان کی ملاقات فرشتوں سے ہوگی تو وہ کہیں گے: "تم کہاں جارہے ہو تو وہ حضرات کہیں گے جنت کی طرف۔"

فرشتے پوچھیں گے: "حساب سے پہلے؟"

وہ کہیں گے: "ہاں"

فرشتے پوچھیں گے: "تم کون ہو؟"

وہ کہیں گے: "ہم فضیلت والے ہیں۔"

فرشتے کہیں گے: "تمہاری کونسی فضیلت ہے؟"

وہ جواب دیں گے: "جب ہمارے ساتھ جہالت کا برتاؤ کیا جاتا تھا تو ہم بردباری اختیار کرتے تھے، جب ہم پر ظلم کیا جاتا تھا تو ہم صبر کرتے تھے، جب ہمارے ساتھ کوئی برائی کی جاتی تھی تو ہم معاف کردیتے تھے۔"

فرشتے کہیں گے: "تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ نیک عمل کرنے والوں کیلئے بہترین اجر ہے۔" پھر ایک منادی ندا کرے گا۔

اہل صبر! کھڑے ہو جائیں ۔" تو انسانوں میں کچھ لوگ کھڑے ہوں گے۔ یہ بہت کم ہوں گے۔ ان کو حکم ہوگا: "جنت کی طرف چلے جاؤ۔" ان سے فرشتے ملیں گے اور ان سے بھی وہی سوال ہوں گے جو سابقہ گروہ سے ہوئے تھے۔

وہ کہیں گے: "ہم اہل صبر ہیں۔"

فرشتے پوچھیں گے: "تمہارا صبر کیا تھا؟"

وہ کہیں گے: "ہم نے اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفسوں کو (ان کی خواہشات سے) روکا اور ہم نے اللہ کی نافرمانیوں سے اس کو باز رکھا۔"

فرشتے کہیں گے: "تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ ۔ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔"

پھر ایک منادی ندا کرے گا: "اب اللہ کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں۔"

انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے اور یہ بھی بہت کم ہوں گے ۔ان کو بھی حکم ہوگا: "جنت کی طرف چلے جاؤ۔"

ان سے بھی فرشتے ملیں گے اور ان کو بھی ویسا ہی کہا جائے گا۔فرشتے ان سے کہیں گے: "تم کس عمل سے اللہ تعالیٰ کے اس کے گھر میں پڑوسی بن گئے؟"

وہ کہیں گے: "ہم صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایک دوسرے (مسلمانوں) کی زیارت کرتے تھے، اللہ ہی کی خاطر آپس میں مل بیٹھتے تھے اور اللہ ہی کے لئے ہم ایک دوسرے پرخرچ کرتے تھے۔"

فرشتے کہیں گے: "تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ ۔ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔"

اہل غربت: غریب لوگ جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے ۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی شان ہے کہ غرباء سے قیامت کے دن فرشتے کہیں گے:

"تم حساب کتاب کی طرف چلو۔"

وہ کہیں گے: "ہم کس چیز کا حساب دیں؟ اللہ کی قسم! دنیاو دولت سے ہمیں کچھ بھی نصیب نہیں ہوا جس میں ہم بخل کرتے یا فضول خرچیاں کرتے اور نہ ہی ہم حکمران تھے کہ

انصاف کرتے اور ظلم کرتے۔ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کا دین آیا تھا، ہم اس کی عبادت میں مصروف رہے یہاں تک کہ موت آگئی۔'' ان سے کہا جائے گا:

تم (بلا حساب) جنت میں داخل ہو جاؤ۔ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔''

قیامت کی ہولناکیوں سے بچنے والے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے (انسانوں اور جنات) کو ایک میدان میں جمع کرے گا تو ایک منادی عرش کے نیچے سے ندا کرے گا:

''اللہ کی معرفت رکھنے والے کہاں ہیں؟ محسن کہاں ہیں؟ (جو عبادت کرتے وقت گویا کہ خدا کو دیکھتے تھے یا یہ یقین کرتے تھے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے)'' لوگوں میں سے ایک جماعت اٹھے گی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا حالانکہ وہ ان کو خوب جانتا ہوگا: ''تم کون ہو؟''

وہ عرض کریں گے: ''ہم اہل معرفت ہیں آپ کے ساتھ ہم نے آپ کو پہچانا تھا اور آپ نے ہمیں اس لائق بنایا تھا۔''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم نے سچ کہا۔''

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم پر کوئی سزا اور تکلیف نہیں، تم میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' پھر رسول اللہ ﷺ خوب مسکرائے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ان حضرات کو روز قیامت کی ہولناکیوں سے نجات عطا فرما دے گا۔''

وہ ذکر جس کی فضیلت کسی بھی وقت جگہ اور سبب کے ساتھ مخصوص نہیں

(مولانا ادریس صاحب)

1- جہاں بھی ہو جس وقت بھی ہو جتنا ممکن ہو **لا الہ الا اللہ** کا ذکر کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ ذکر جو کسی وقت جگہ اور سبب کے ساتھ مخصوص نہیں وہ **لا الہ الا اللہ** ہے جو سب سے افضل ذکر ہے دوسری حدیث میں ہے یہی سب سے بڑھ کر نیکی ہے۔

2- ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ بہرہ ور وہ شخص ہوگا جس نے دل و جان سے یعنی خلوص قلب کے ساتھ **لا الہ الا اللہ** کہا ہوگا۔

3- ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے **لا الـــہ الا اللـــہ** کہا اور اس کے دل میں جو برابر بھی خلوص یا ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے یہ کلمہ کہا اور اس کے دل میں گیہوں کے دانہ کے برابر بھی خلوص یا ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے یہ کلمہ کہا اور اس کے دل میں ذرا برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

4- ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے دل سے **لا الہ الا اللہ** کہا وہ

جنت میں ضرور داخل ہوگا اگر چہ اس نے زنا اور چوری جیسے گناہ بھی کیے ہوں اگر چہ اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو اگر چہ اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو تین مرتبہ فرمایا۔

-5 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایمان کو کس طرح تازہ کریں آپ ﷺ نے فرمایا کثرت سے **لا الہ الا اللہ** کہتے رہا کرو۔

-6 ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا **لا الہ الا اللہ** کو اللہ تک پہنچنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی

-7 ایک اور حدیث میں آیا ہے **لا الہ الا اللہ** کا ذکر کوئی گناہ بھی باقی نہیں رہنے دیتا اور کوئی بھی عمل اس کے برابر نہیں ہے۔

-8 ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور **لا الہ الا اللہ** دوسرے پلڑے میں ہو تو بھی وہ سب سے بڑھ جائے گا۔

-9 ایک اور حدیث میں آیا ہے جب کوئی بندہ دل سے **لا الہ الا اللہ** کہتا ہے اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا ہے جب تک کہ وہ بڑے گناہوں سے بچتا رہا ہو۔

پھولوں اور پھلوں کے بارے میں

سیسل بائس ہامان، ماہر نباتات

(ترجمہ: عبدالحمید صدیقی)

جب میں اس کائنات پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو اس میں ایک برتر ذات کے منصوبے، تدبیر اور قانون کی جھلکیاں پاتا ہوں تم ایک وادی سے گذرو جسے آفتاب کی کرنوں نے منور کر رکھا ہو کسی پہاڑی پر پرندے کی آواز سنو تو تمہیں اس بات کا یقین ہوگا کہ یہ کائنات ایک بااختیار ہستی کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ کیا پھولوں میں محض بخت واتفاق سے ایسا رس پیدا ہوگیا ہے جو ننھے ننھے کیڑوں مکوڑوں کو دعوت دیتا ہے؟ کیا یہ اتفاق حادثہ ہے کہ پھولوں کے بیجوں سے گلہائے رنگا رنگ پیدا ہوتے ہیں؟ کیا یہ سب شواہد اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ قدرت کی ان کرشمہ سازیوں کے پیچھے خدا کا غیر مرئی ہاتھ کارفرما ہے اور یہ سب کچھ اسی کے ارادے اور مشیت کے مطابق ہو رہا ہے کیا رابن پرندے کو اپنے دمساز کی موجودگی کے علاوہ اپنے خالق کی خوشنودی راگ الاپنے پر مجبور نہیں کرتی تاکہ اس سے نوع انسانی شاداں و فرحاں ہو نہ معلوم روزانہ کتنے خوش الحان پرندے خدا کی حمد وثنا میں نغمہ سنج ہوتے ہیں یہ نغمے قدرت کے دیگر عطیات کی طرح انسان کے لیے ہر وقت فرحت کا سامان مہیا کرتے ہیں بشرطیکہ اس کے دل میں ان سے متمتع ہونے کی آرزو اور تمنا ہو۔

ذرا'اوریل' پرندے کے گھونسلے کا جائزہ لو اسے کس نے اس کمال کی ہنر مندی

اور جا بکدستی سکھائی ہے؟ان گھونسلوں میں حیرت انگیز قسم کی یکسانیت کیوں پائی جاتی ہے؟ ممکن ہے ۔کوئی شخص اسے محض جبلت کا نتیجہ کہہ کر اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے مگر امر واقع یہ ہے کہ اس سے انسانی ذہن کی تشفی نہیں ہوتی اگر اسے جبلت کی کرشمہ سازی مان لیا جائے تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جبلتیں کیا ہیں آخر اس بات میں کونسا منطقی مغالطہ ہے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خداوند تعالیٰ کا غیر مرئی ہاتھ اس کی تخلیقات کے پیچھے کام کر رہا ہے اور اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے ضابطوں کا پابند ہے مگر ہمیں ان کی معلومات بہت کم حاصل ہیں ۔

میرا تو خدائے لم یزل پر ایمان ہے ۔وہ خدا جو نہ صرف قادر مطلق ہے بلکہ رب العالمین بھی ہے اور اشرف المخلوقات بھی ۔یعنی انسان سے بھی گہرا تعلق رکھتا ہے ۔

میرا یہ عقیدہ صرف مذہب کا رہینِ منت نہیں بلکہ انفس و آفاق پر غور فکر کا نتیجہ ہے انسان اپنے آپ کو مختلف سوالات کے ہجوم میں گھرا ہوا پاتا ہے ان سوالات کے جواب دینے کے لئے وہ بہت سے مفروضات کا محتاج ہے جو انسان کی بڑھتی ہوئی معلومات کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتے چلے جاتے ہیں اسے ہماری شومئی قسمت سمجھئے کہ علوم طبعی میں انسان نے جس قدر ترقی کی ہے اس نسبت سے اسے خدا کا شعور حاصل نہیں ہو سکا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسان کے علم میں جتنا اضافہ ہوا ہے اسی نسبت سے اس نے خدا کے وجود کو زندگی کے معاملات سے خارج کر دیا ہے کاش انسان یہ سمجھتا کہ دنیا کے یہ سارے انکشافات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ اس کائنات کے پیچھے ایک عقل کل کام کر رہی ہے ۔

جب ہم معمل میں جا کر خوردبین کی مدد سے تالاب کے ایک قطرہ آب کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں ہم ننھے ننھے کیڑوں کی ایک دنیا آباد پاتے ہیں کیا یہ چیز قدرت کے

عجائبات میں سے ایک بہت بڑا عجوبہ نہیں؟ یہاں ایک ننھا سا امیبا غیر محسوس طور پر بڑھتا چلا جاتا ہے اور بہت جلد ہی ایک حیوانی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں ایک خلیہ ہی زندگی کے وہ سارے کام کرتا ہے جن کی انجام دہی کے لئے بڑے جانوروں کو لاکھوں اور کروڑوں خلیے درکار ہوتے ہیں اس ننھے سے کیڑے کی عجیب وغریب ساخت محض بخت واتفاق کا نتیجہ تو نہیں ہوسکتی۔

قوانین طبیعی یوں تو اس کائنات کے سارے شعبوں میں جاری وساری ہیں مگر ان کے اثرات سب سے زیادہ نمایاں علم کیمیا میں نظر آتے ہیں انسان ماضی میں غذا کے ہضم کرنے اور اس کا جزو بدن بننے کے عمل کو خداوند تعالیٰ کے وجود کی شہادت سمجھتا تھا مگر اب وہ اسے کیمیاوی اثرات کا نتیجہ سمجھتا ہے لیکن کیا اس تبدیلی سے خدا کے وجود کی نفی ہو جاتی ہے آخر وہ کونسی ذات ہے جس نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ غذا کے وجود میں داخل ہونے کے ساتھ ہی اس پر اس قسم کے اثرات مرتب ہوں اور انہیں کیمیاوی خمیر ایک تلی بندی تدبیر کے تحت نظم وضبط میں رکھے غذا انسان کے بدن میں جن مختلف مراحل سے گزرتی ہے اور ان میں اس کے اندر جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ محض اتفاق کی کرشمہ سازی نہیں ہوسکتی انسان کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس امر کا اعتراف کرے کہ اس کائنات میں خدائی اصول کار فرما ہیں۔

جب ہم آسمان پر ایک نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہم لاتعداد ستاروں کو ایک نظام میں منسلک دیکھ کر حیران وششدر رہ جاتے ہیں ایک رات نہیں ایک موسم اور سال بھی نہیں بلکہ ان گنت صدیوں سے اس فضائے بسیط میں جو گیندیں معلق ہیں وہ ایک ہی معین راستے پر گردش کرتی چلی جارہی ہیں وہ اپنے مداروں پر اس نظم کے ساتھ واپس آتی اور جاتی ہیں کہ ان

کے گہن کا صدیوں پیشتر بالکل صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کیا قدرت کے یہ کہکشانی وجود آشفتہ سر ہو کر یونہی بے مقصد فضا میں گھومتے پھرتے ہیں۔ اگر یہ کسی ضابطے کے پابند نہ ہوتے تو پھر انسان سمندروں کو عبور کرنے کے لئے انہیں کیونکر رہنما تسلیم کرتا انسان خواہ خدا کے وجود کا اقرار کرے یا نہ کرے مگر وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ یہ کواکب بہر حال ایک لگے بندھے ضابطے کے پابند ہیں اور یونہی فضا میں آوارہ سرگرداں نہیں اور اس وجہ سے ان پر کسی حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

پانی کے ایک حقیر قطرے سے لے کر جو خوردبین میں بھی بمشکل نظر آتا ہے فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے ان دُور دراز ستاروں تک نگاہ دوڑاؤ جنہیں دُوربین کی مدد ہی سے دیکھا جا سکتا ہے تو تمہیں ان میں ایک فقید المثال نظم و ضبط نظر آئے گا ان کے وظائف میں اس قدر یکسانیت پائی جاتی ہے کہ ہم اس بنیاد پر قوانین مرتب کر سکتے ہیں فطرت کے مظاہر میں ہم آہنگی کے یقین ہی نے بے شمار انسانوں کو اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ وہ اس کی یکسانیت کو دریافت کرنے کے لیے اپنی عمریں صرف کریں اگر انہیں اس حقیقت پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ عمر ایسی متاع عزیز کو اس تحقیق میں گنوانے کے لیے تیار نہ ہوتے اگر اس کائنات کے پیچھے بخت و اتفاق کا اندھا ہاتھ کارفرما ہوتا تو پھر ہر نئے تجربے سے نت نئے نتائج برآمد ہوتے ان حالات میں کوئی ترقی ممکن نہ تھی کائنات کا حسن انتظام اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا کوئی ناظم ضرور ہے کیونکہ ناظم کے بغیر کسی کام میں یکسانیت پیدا نہیں ہو سکتی ہر نیا قانون جو دریافت ہوتا ہے وہ زبان حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ میں اپنے وجود کے لیے ایک بلند و بالا ذات کا رہینِ منت ہوں انسان تو محض میرا جوئندہ ہے۔

سائنس خدا کے وجود پر گواہ ہے ایسا خدا جو روزمرہ معاملات میں بھی ہماری دستگیری

کرتا ہے ہم ستاروں کی تصویریں لے سکتے ہیں اور آسمانوں پر ان کے راستوں کو متعین کر سکتے ہیں اسی طرح ایسا کا بھی کاغذ پر عکس لیا جا سکتا ہے مگر خدائے واحد کے لیے اس قسم کی کوئی محسوس اور مادی شہادت فراہم نہیں کی جا سکتی۔

خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اس کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرنا لابدی اور ضروری ہے۔ اگر ایک شخص خوردبین میں سے نہیں دیکھتا ایسا کی تصویر کو اپنی نگاہ کے سامنے نہیں لاتا تو وہ ہٹ دھرمی سے کہہ سکتا ہے کہ ایسا ایسی کوئی چیز کائنات میں موجود نہیں لیکن اس کا یہ کہنا صحیح اور درست ہے؟ یہی حال خالق کائنات کا ہے جب تک ہم اس ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس کی تخلیق پر غور و فکر کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرتے اس وقت تک وہ ہمارے ذہن کی گرفت میں نہیں آ سکتا اور ہم ضدی بچوں کی طرح ایک بدیہی حقیقت کو جھٹلانے کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن اگر ایک مرتبہ بھی اس کے نور کی پرچھائیں ہم دیکھ لیں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی ہمیں اس کی تکذیب کے لیے تیار نہیں کر سکتی اسے آپ میرا داخلی تجربہ ہی کہہ لیجئے لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اگر ہم خود ہی اس کی ذات پر غور و فکر نہیں کرتے تو اسے محض دلائل کے زور سے انسان کے دل و دماغ میں کس طرح اتارا جا سکتا ہے وہ دوسری بار بغیر گناہ کے نجات کے لیے انہیں دکھائی دے گا جو اس کی راہ دیکھتے ہیں۔

میرا خدا پر ایمان ہے ۔وہ اس کائنات کا خالق اور مالک ہے اور میری دستگیری کرنے والا ہے میں اس کے وجود کو انفس و آفاق دونوں میں دیکھتا اور محسوس کرتا ہوں۔۔

تصوف دین کی روح

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

تصوف کی ماہیت: اقوام عالم کے صوفیانہ ادب اور صوفیوں کے اقوال کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے تصوف اُس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لئے اس شدت کے ساتھ موجزن ہوتا ہے کہ اس کی پوری عقلی اور جذباتی زندگی پر غالب آ جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی، اُسی (خدا) کو اپنا مقصود حیات بنالیتا ہے۔ گفتگو کرتا ہے تو اُسی کی، خیال کرتا ہے تو اسی کا، یاد کرتا ہے تو اسی کو، کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا، شفق کی سرخی میں، دریا کی روانی میں، پھولوں کی مہک میں، بلبل کی آواز میں، تاروں کی چمک میں، صحرا کی وسعت میں، باغ کی شادابی میں، غرض کہ تمام مظاہر فطرت اور مناظر قدرت میں اسے خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے:

سمایا ہے تو جب سے نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

یہیں سے ایک سائنس دان، ایک فلسفی، ایک پیرو مذہب اور ایک صوفی کے تصورِ خدا میں فرق واضح ہو سکتا ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(الف) سائنس دان کی دو قسمیں ہیں: 1- قائلین خدا 2- منکرین خدا

جو سائنس دان خدا کی ہستی کے قائل ہیں وہ اسے صانع کائنات قرار دیتے ہیں اور

یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا، اس کائنات کو بنانے اور اس میں قوانینِ فطرت نافذ کرنے کے بعد، اس سے بے تعلق ہو چکا ہے۔ اس لیے انسان اور خدا میں نہ کوئی رابطہ اور تعلق ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔

(ب) فلاسفہ کی بھی دو قسمیں ہیں: 1- قائلین خدا 2- منکرین خدا

جو فلسفہ خدا کی ہستی کے قائل ہیں وہ بھی اسے صرف صانع کائنات یا علتِ کائنات ہی قرار دیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ غیر مشخص ہے اس لئے انسانوں کے ساتھ ایسا شخصی رابطہ قائم نہیں کر سکتا جیسا کہ مختلف انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ کسی انسان سے ہم کلام نہیں ہو سکتا یا اگر کوئی انسان اسے پکارے تو وہ جواب نہیں دے سکتا۔ غور سے دیکھا جائے تو سائنس دان اور فلاسفر کے تصورِ خدا میں کوئی فرق نہیں ہے

(ج) مذہب کا معاملہ سائنس اور فلسفہ سے بالکل جداگانہ ہے۔ سائنس اور فلسفے کی بنیاد انسانی عقل پر ہے۔ مذہب کی بنیاد وحی و الہام پر ہے جس میں انسانی عقل کو دخل نہیں ہوتا بلکہ خود خدا اپنا کلام کسی بندے پر نازل کرتا ہے جسے عرف عام میں رشی، نبی، رسول یا پیغمبر کہتے ہیں۔

مذہب کی رو سے خدا، خالقِ کائنات ہے اور انسان اُس سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس رابطے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خدا خود بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اگر تم مجھے پکارو گے تو میں جواب دوں گا۔

ہر مذہب نے دو چیزیں پیش کیں: پہلی چیز یہ کہ اگر میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں اس کی جزا دوں گا یعنی جنت میں داخل کروں گا۔ اور اگر میری نافرمانی کرو گے تو سزا دوں گا یعنی دوزخ میں ڈال دوں گا۔

دوسری چیز یہ کہ اگر اطاعت کے علاوہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے

محبت کروں گااور اس محبت کا ثمر یہ ملے گا کہ تمہاری شخصیت میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی ،اور اس قرب یا اتصال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بچشم دل میرا دیدار کر سکو گے۔

اسی لیے اہلِ مذہب دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ۔جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا انہوں نے صرف اطاعت شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنایا۔لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ محبت (طریقت) کو بھی ضروری سمجھا یعنی دیدار کو مقصود بنایا۔اقبال نے اس شعر میں اسی فرق کو واضح کیا ہے:

گفت دینِ عامیاں ؟ گفتم شنید
گفت دینِ عارفاں ؟ گفتم کہ دید

دوسرے طبقے کے افراد کو عرف عام میں صوفی کہتے ہیں،اور اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہر صوفی عاشق ہوتا ہے عشق اور تصوف مترادف الفاظ ہیں ۔

تصوف کیا ہے؟ خدا سے ملنے یا اسے دریافت کرنے یا اسے دیکھنے کی شدید ترین آرزو کا دوسرا نام ہے۔

تصوف کیا ہے؟ روحِ انسانی کا اپنی اصل (خدا) سے واصل ہو جانے کا اشتیاق ۔

یہ جذبہ انسان میں کیسے برانگیختہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نے خدا کی طرف سے یہ نوید سنی کہ اگر تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں بھی تم سے محبت کروں گا،تو اسے یقین ہوگیا کہ وہ شے جسے میں روح یا آتما کہتا ہوں ، فی الحقیقت خدا سے جدا نہیں ہے بلکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس سے متصل ہے بالفاظ واضح تر خدا اور روح دونوں ہم جنس ہیں،اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ''اگر خدا اور میری روح میں باعتبار حقیقت ، مغائرت ہوتی تو خدا مجھے اپنی ذات سے محبت کا حکم نہ دیتا۔لہٰذا معلوم ہوا کہ روح اس کے پاس سے آئی ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنی ذات میں یا اپنے باطن میں غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ میری روح خود بھی:

i شیدائے جمال مطلق ہے یعنی کسی ایسی ہستی سے محبت کرنا چاہتی ہے جس سے جمیل تر یا خوب تر یا حسین تر ہستی متصور نہیں ہوسکتی۔

ii ابدیت سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے۔

تو اسے یقین ہوگیا کہ میری روح واقعی خدا ہی کے پاس سے آئی ہے کیوں کہ اگر خدا مجھ سے محبت کرتا ہے تو میری روح بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ یہ ہے وہ مرکزی نقطہ خیال (جس کی صداقت سالک پر، مراقبے اور مشاہدے کے بعد، روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے) جس پر تصوف کا سارا مدار ہے۔ اقبال نے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بکنارت آرمیدم، تو بجوش خودنمائی
بکنارہ بر فگندی، دُرِ آبدارِ خودرا

اگر یہاں یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ صداقت (کہ روح انسانی، ذاتِ حق سے صادر ہوئی ہے اور اس سے ملنے کے لیے بے تاب ہے) ہر شخص پر منکشف نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طلب تو ہر انسان کے دل میں موجود ہے مگر اکثر و بیشتر بنی آدمؑ، مادیات میں اس قدر منہمک رہتے ہیں کہ کبھی اپنے باطن اور اس کے تقاضے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔

اکبرالہ آبادی نے اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی۔اے ہوئے، ڈپٹی بنے، پنشن ملی، پھر مر گئے

ایک شعر اقبال کا بھی غور طلب ہے:

نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

مطلب یہ ہے کہ جب انسان خدا کے بجائے دنیا (زن + زر + زمین) کو اپنا مقصود و مطلوب و محبوب بنالیتا ہے تو قلب اور نظر دونوں قوتیں رنجور ہو جاتی ہیں، اور اگر مداوا نہ کیا جائے تو بمُوائے قانونِ قدرت دونوں مر جاتی ہیں، اور ان کے مر جانے سے انسان مر جاتا ہے، صرف حیوان باقی رہ جاتا ہے، سچ کہا ہے اقبال نے:

آنکہ حی لایموت آمد، حق است
زیستن با حق، حیاتِ مطلق است

اللہ نے ہر انسان کے اندر (دل میں) اپنی محبت کی شمع روشن کر دی ہے اور ذکر الٰہی بمنزلِ روغن۔ اگر روغن ختم ہو جائے تو شمع کا بجھ جانا یقینی ہے۔

تصوف کیا ہے؟ مذہب کی روح ہے۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ مذہب دراصل اپنی حقیقت کے لحاظ سے، زندہ خدا کے ساتھ زندہ رابطہ پیدا کرنے کا نام ہے، ارکان، شعائر، مناسک، رسوم، قواعد، ظواہر یعنی احکام شرع یہ سب اس رابطے کے حصول کے ذرائع ہیں بالفاظِ صحیح تر یہ سب مقصود بالعرض ہیں نہ کہ مقصود بالذات۔ اگر مقصود بالذات (ربط یا تعلق مع اللہ) پیش نظر ہے تو یہ سب مفید بھی ہیں اور ضروری ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص وسائط ہی کو مقصود بنالے تو وہ شخص کبھی اپنے مقصودِ حقیقی کو حاصل نہیں کر سکتا۔

تصوف ہی وہ مشیر اور ناصح ہے جو ہر وقت انسان (سالک) کو تلقین کرتا رہتا ہے کہ دیکھنا! کہیں مقصود، نگاہ سے اوجھل نہ ہو جائے! اے انسان! تیرا مقصودِ حقیقی، اللہ سے رابطہ

یا تعلق پیدا کرتا ہے اس لیے جب تو نماز پڑھنے کھڑا ہو اور یہ دیکھے کہ مصلّٰی پاک ہے یا نہیں؟ منہ قبلے کی طرف ہے یا نہیں؟ تو ان ظواہر کے ساتھ ساتھ یہ بھی تو دیکھ کہ تیرا تصور پاک ہے یا نہیں؟ دل اللہ کی طرف ہے یا نہیں؟ وقِس علیٰ ہذا۔ اگر بحالتِ نماز تیرا دل دنیا کی طرف ہے تو ایسی نماز بے حضور ہے، ظاہر شرع کا تقاضا تو پورا ہو جائے گا لیکن اللہ سے تعلق پیدا نہ ہو سکے گا ،اور جب اس سے تعلق پیدا نہ ہوا تو نماز کا مقصودِ حقیقی بھی فوت ہو گیا۔

اقبال نے اس شعر میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے:

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور

ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

قصہ مختصر تصوف، ہر قدم پر، ہر بات پر، ہر وقت سالک کو متنبہ کرتا رہتا ہے کہ دیکھنا! اللہ (مقصود) نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

قرآن رہے پیشِ نظر، یہ ہے شریعت

اللہ رہے پیشِ نظر، یہ ہے طریقت

تصوف سالک کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر تو اللہ سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو گیا تو ہفتوں بلکہ مہینوں میں بھی اس غفلت کی تلافی نہ ہو سکے گی:

رفتم کے خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

جو شخص کسی مذہب کا پیرو ہے مگر تصوف پر عامل نہیں اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ساری عمر کسی حلوائی کی دکان میں حلوہ بنایا مگر خود کبھی حلوہ نہ کھایا۔

تصوف ہی کی بدولت انسان، اس اللہ سے زندہ رابطہ پیدا کر سکتا ہے جسے وہ اپنا

معبود یا مسجود یقین کرتا ہے۔فقیہ کہتا ہے:اے مسلمان! اللہ کا نام لے۔صوفی کہتا ہے کہ اے مسلمان! اللہ کا نام ضرور لے(کیوں کہ حکم شرع یہی ہے)مگر اس طرح لے کہ وہ تیرے دل میں بس جائے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر تیری شخصیت سے اللہ کا اظہار ہوگا اور جو تیرے پاس بیٹھے گا اسے تیرے وجود سے اللہ کی خوشبو آئے گی۔بالفاظ دیگر محض زبان سے نام لینا کافی نہیں ہے۔زبان کے ساتھ دل سے بھی اسی کا نام لے۔یہ تو منافقت ہے کہ زبان پر اللہ کا نام ہو اور دل میں شیطان ہو:

تو عرب ہو یا عجم ہو، تیرا لا الہ الا

لغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گواہی

تصوف دل کی نگہبانی کا دوسرا نام ہے کیوں کہ انسان بظاہر جسم اور نفس کا نام ہے مگر درحقیقت، دل کا نام ہے،اور اگر دل مسلمان نہ ہو سکا تو رکوع وسجود یا زبان سے خدا کا اقرار، دونوں بے معنی ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ،تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

پس تصوف، دل و نگاہ کو مسلمان بنا دیتا ہے۔اور راقم الحروف اپنے پچاس سالہ تجربات کے بعد یہ بات علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہے کہ تصوف کے علاوہ، دل و نگاہ کو مسلمان بنانے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔خود اقبال کا مشورہ بھی یہی ہے:

می نروید تخمِ دل از آب و گل

بے نگاہے از خداوندان دل

یعنی جب تک کوئی شخص ”خداوندانِ دل“ کی صحبت اختیار نہیں کرے گا اس وقت

تک دل حقیقی معنی میں دل نہیں بن سکتا۔اور بات بھی معقول ہے، چراغ تو چراغ ہی سے روشن ہوسکتا ہے ۔دین (اور تصوف ، دین کی روح ہے) نہ کتابوں سے پیدا ہوسکتا ہے نہ کالجوں سے؛وہ صرف نظر سے پیدا ہوسکتا ہے۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم وحکمۃ از کتب، دیں از نظر (اقبال)

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (اکبر)

ان دونوں کے مرشد بھی یہی فرماتے ہیں:

گر تو سنگِ خارہ ومرمر بوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی (رومی)

تصوف انسانی روح کا ذاتی تقاضا ہےاپنی اصل سے واصل ہونے کے لئے جواس کی گہرائی میں سے اُبھرتا ہے۔اس تقاضے کا انسان کی خارجی (مادی) دنیاوی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں ہے یہ تقاضا خارج سے انسان پر وارد نہیں ہوتا ۔ہاں یہ ضرور ہے کہ مناسب ماحول میسر نہ آسکے تو دب جاتا ہےاور اگر میسر آجائے تو اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس تقاضے کا نتیجہ اس رجحان طبع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس کی بدولت انسان اپنی پوری شخصیت کو دنیا کی عارضی اور فانی دلچسپیوں سے ہٹا کر، خدا سے وابستہ کردیتا ہے۔اور اپنی پوری توجہ اس کے حصول پر مرکوز کردیتا ہے۔

یہ رجحانِ طبع ،انسان کے دل میں خدا، خودی اور کائنات کا ایک خاص تصور قائم کردیتا ہے۔وھو ہذا:

(الف) اس کی نگاہ میں حقیقی وجود صرف خدا کے لیے ہے۔حقیقی معنی میں صرف خداہی موجود ہے۔

(ب) خودی (روح) اس حقیقی وجود سے صادر ہوئی ہے جیسے آفتاب سے شعاع کا صدور ہوتا ہے۔اسی لیے خودی اور خدا میں ایک شدید رابطہ یا اتصال ہے:

اتصال بے تکلیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جانِ ناس

یہی وجہ ہے کہ خودی یا روح کو مادی دنیا کی کسی چیز سے قرار یا اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔ہوبھی کیسے سکتا ہے؟صحبتِ ناجنس تو عذاب الیم ہے۔جس سے آشنائی نہ ہو اس کی صحبت کیسے راس آسکتی ہے؟

اسی لیے اقبال نے یہ مشورہ دیا ہے:

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبت آشنا طلب

ہم زخدا خودی طلب،ہم زخودی خدا طلب

(ج) کائنات کیا ہے خدا کی جلوہ گاہ ہے۔ہر شے سے وہی ظاہر ہو رہا ہے۔یعنی کائنات مظہرِ اسماء و صفات ہے:

چشم بکشا کہ جلوۂ دلدار

متجلی است از در و دیوار (عطار)

کہ بچشمانِ دل میں جز دوست

ہر چہ بینی بداں کہ مظہرِ اوست

یہی وحدۃ الوجود ہے اور ہر صوفی وحدۃ الوجود کا قائل ہوتا ہے۔خدا،واحد حقیقی ہے

یعنی جس طرح کوئی شے اس کی ذات میں شریک نہیں ہے اسی طرح وجود میں بھی شریک نہیں ہے۔

جاروب لا بیار کہ ایں شرک فی الوجود

یا گرد فرش وسینہ بایواں برابر است (غالب)

تصوف کی اہمیت: انسان کی عقل اور روحانی زندگی میں تصوف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ عصرِ حاضر کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل (Russell)، جس کے بارے میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا وہ تصوف کا حامی ہے، یہ کہتا ہے: ''دنیا میں جس قدر عظیم فلسفی گزرے ہیں سب نے فلسفے کے ساتھ ساتھ تصوف کی ضرورت کا بھی اعتراف کیا ہے دنیائے افکار میں انتہائی مقام صرف سائنس اور تصوف کے اتحاد سے حاصل ہوسکتا ہے۔ بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔''

رسل نے اپنے دعوے کے ثبوت میں حسبِ ذیل فلاسفہ کے نام بطور مثال پیش کیے ہیں۔ ہرقلیطوس، پارمینائڈیز، افلاطون اور اسپنوزا۔ ظاہر ہے کہ یہ فہرست جامع نہیں ہے اس لیے چند اسماء کا اضافہ کیے دیتا ہوں مثلاً برونو، ہیگل، برگساں، اور وہائٹ ہیڈ۔

تصوف کی خصوصیت: تصوف کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دنیا کے دوسرے تمام علوم وفنون سے متمیز کر دیتی ہے یہ ہے کہ اس کی بدولت خدا، انسان کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہاں اگر کسی کو یہ شبہ لاحق ہو کہ مذہب بھی خدا سے محبت کا سبق سکھاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی لیے تو میں نے ابتدائی بحث میں یہ لکھا ہے کہ تصوف، مذہب کی روح ہے جب کوئی مذہبی آدمی، خدا سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ تصوف کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

کیا نفس ایک ہے یا تین؟

(علامہ حافظ ابن القیمؒ)

بہت سے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے تین نفس ہیں

1- نفس مطمئنہ 2- نفس امارہ 3- نفس لوّامہ

پھر کسی پر کوئی نفس غالب ہوتا ہے اور کسی پر کوئی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے مطمئن نفس، مجھے نفس لوامہ کی قسم۔ واقعی نفس امارہ ہے اور بُرائی کی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن حقیقت میں نفس تو ایک ہی ہے مگر اس کے صفاتی طور پر تین نام ہیں۔ مطمئنہ اس لئے کہا گیا کہ وہ اپنے رب کی عبادت و محبت تو بہ و انابت اور توکل و رضا سے پرسکون و مطمئن ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی رضا و محبت اور خوف و رجا کی نشانی غیر کی محبت و رضا اور خوف و رجا سے قطع نظر کر لینا ہے کہ انسان رب کی محبت میں ڈوب کر ماسوا کی محبت سے بے پرواہو جائے۔ اس کی یاد میں کھو کر دوسروں کو یاد نہ کرے۔ اور اس کے شوق ملاقات میں گم ہو کر غیروں کی ملاقات کا شوق کھو دے در حقیقت اطمینان اللہ کی طرف سے انسان کے دل میں اترتا ہے جو اسے اللہ کی معرفت پر جما دیتا ہے۔ اور بھاگے ہوئے دل کو اللہ کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ گویا اب وہ اپنے رب کے سامنے بیٹھا ہے۔ اسی کے ذریعہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ چھوڑتا اور پکڑتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ حرکت کرتا ہے۔ یہ اطمینان اس کے قلب و نفس میں اس کے جوڑوں اور رگوں میں اور اس کی ظاہری و باطنی قوتوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ جو اس کی روح کو اللہ کی طرف جذب کر لیتا ہے۔ اور اس کے جوڑ جوڑ کو اس کی خدمات و تقرب کی سعادت پر آمادہ کر دیتا ہے۔

حقیقی اطمینان کا منبع:

حقیقی اطمینان اللہ سے اور اللہ کے ذکر (قرآن) ہی سے حاصل ہوتا ہے۔فرمایا ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں سُن لو اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔اطمینان قلب دلی چین وسکون ہے کہ اس سے اضطراب وقلق وملال دور ہو جائے یہ بجز اللہ کے اور اللہ کی یاد کے کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے دل کا مطمئن ہونا اور اس پر بھروسہ کرنا دھوکا اور عجز ہے۔اللہ پاک کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جو اس کے سوا کسی اور سے اطمینان پکڑے گا اسے مزید بے چینی اور بے کلی حاصل ہوگی۔ خواہ وہ کوئی ہو۔بلکہ اگر کوئی اپنے علم حال اور عمل پر مطمئن ہو۔تو اللہ اس سے وہ نعمت زائل فرما دے گا۔حق تعالٰی نے ایسے لوگوں کے دل آلام ومصائب کے تیروں کے ہدف بنا دیے ہیں تا کہ اس کے دوستوں کو معلوم ہو جائے کہ غیر سے تعلقات بڑھانے والا پھلتا پھولتا نہیں۔اور اس کی اُمیدیں کبھی پوری نہیں ہوتیں۔اطمینان حقیقی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے اسماءوصفات کے بارے میں اپنے کلام پاک میں جو کچھ بتایا یا اس کے رسولوں نے جو کچھ بتایا بندہ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور بے چون وچرا مان لے اور اس سے اُس کے دل میں سرور وٹھنڈک پیدا ہو جائے۔کیونکہ اس سے اس کے رسولوں کی زبانی رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے دلوں میں برابر ایک ہیجان وقلق رہتا ہے۔جب تک انسان رب کے صفات واسماء پر اس کی توحید پر، استوائے عرش پر اور اس کے کلام پر ایمان کے ساتھ ساتھ قلبی مسرت وٹھنڈک محسوس نہ کرے۔یہ قلب تشنہ کے لئے بمنزلہ صاف اور ٹھنڈے پانی کے ہے۔گویا بندے نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔جس طرح انبیائے کرام نے اسے خبر دی تھی اور اب وہ روز روشن کی طرح صاف اور واضح ہے۔اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور اللہ کے نبی کی خبر ایک طرف تو

اللہ کی قسم اس مخبر صادق کی خبر قطعی صحیح ہو گی ۔ گو دنیا کے تجربات و مشاہدے اسے غلط بتاتے ہوں ۔ دنیا کی مخالفت اللہ والے کے قلبی اطمینان میں ذرا سا بھی خلل نہ ڈال سکے گی ۔ یہ اطمینان کا پہلا درجہ ہے ۔ پھر یہ اطمینان بڑھتا ہی رہے گا ۔ جوں جوں اللہ کی صفات کی آیتیں کانوں میں پڑتی رہیں گی آگے اطمینان کے بے شمار درجے ہیں ۔ یہ اطمینان ایمان کی جڑوں کی جڑ ہے ۔ جس پر ایمان کی عمارت اُٹھائی گئی ہے ۔ پھر انسان عالم برزخ کی خبروں اور زندگی بعد الموت کے حالات سے مطمئن ہو جاتا ہے گویا وہ ان سب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے ۔

یقین کی حقیقت:

یہی یقین کی حقیقت ہے جس سے حق تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو متصف فرمایا ۔ فرمایا **وبالآخرۃ ھم یوقنون** وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، لہٰذا آخرت پر ایمان حاصل نہیں ہو سکتا جب تک دل ان تمام باتوں سے مطمئن نہ ہو ۔ جن کی رسولوں نے خبر دی ہے اور دلی اطمینان سے درجہ یقین تک نہ پہنچے ۔ حقیقت میں ایسے ہی شخص کا آخرت پر سچا ایمان ہوتا ہے ۔

حضرت حارثہ کا واقعہ:

ایک دفعہ حضرت حارثہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ میں مومن ہوں ۔ پوچھا ہر سچی بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے ۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ بولے میں نے اپنا دل دنیا سے اور دنیا والوں سے ہٹا لیا ہے ۔ گویا میں اپنے رب کے عرش کو بلند دیکھ رہا ہوں ۔ اور جنت والوں کو ملتا جلتا ہوا اور دوزخیوں پر عذاب ہوتا ہوا دیکھ رہا ہوں فرمایا ۔ اللہ نے اس بندے کا دل روشن کر دیا ہے ۔

اطمینان کی قسمیں:

اسمائے حسنیٰ اور صفات کمالیہ پر اطمینان قلبی کی دو صورتیں ہیں ان پر پکا ایمان و اعتقاد ہو اور ان کے تقاضوں پر جو آثار عبودیت ہیں، اطمینان قلب ہو۔ مثلاً تقدیر کا یقین و اعتقاد ہو، اور تقدیر کے تقاضوں پر جن کے ہٹانے کا بندوں کو حکم نہیں اور نہ ہٹانا ان کے بس کی بات ہے۔ انسان راضی ہو جائے ان کے آگے سر تسلیم خم کر دے ان پر غصے کا اظہار نہ کرے نہ لب شکایت وا کرے۔ اور نہ عقیدے میں جنبش آنے دے۔ ہاتھ سے نکل جانے والی نعمت پر افسوس نہ کرے اور موجودہ نعمت پر اترائے نہیں کیونکہ مصیبت آنے سے پہلے بلکہ پیدا ہونے سے بھی پہلے مقدر میں تھی۔ فرمایا **ما اصاب من مصیبۃ** جو مصیبت دنیا میں آتی ہے اور خاص کر تمہاری جانوں پر، وہ جانیں پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت آسان بات ہے تاکہ تم فوت شدہ نعمت پر رنج نہ کرو اور موجودہ نعمت پر اتراؤ نہیں۔ فرمایا۔ **ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ** یعنی جو مصیبت پیش آتی ہے اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے گا اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمائے گا۔ ان آیتوں کی تفسیر میں اکثر سلف کا قول ہے کہ ان کے یہ معنی ہیں کہ انسان پر کوئی مصیبت آجائے اور وہ یہ یقین کر کے کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے اس پر راضی ہو جائے اور سر تسلیم خم کر دے یہ اطمینان صفات کے احکام و آثار اور ان کے تقاضوں پر ہے۔ اور یہ عقائد و ایمان پر ایک زائد چیز ہے۔ اسی پر تمام صفات کا اور ان کے آثار و متعلقات کا قیاس کر لو جیسے سمع و بصر، علم، رضا، غضب اور محبت وغیرہ یہ تو ایمانی اطمینان ہے۔ اور ایک احسانی اطمینان ہے یعنی خلوص و بے لوثی سے تعمیل ارشاد باری سے دل کو سکون حاصل ہو کہ اپنے ارادے کو یا خواہش کو یا تقلید کو اللہ کے حکم پر مقدم نہ کرے اور ایسے شبہ کے پاس بھی نہ جائے

جو اللہ کے حکم سے ٹکرائے اور ایسی خواہش پوری نہ کرے جو اس کے حکم کے خلاف ہو۔ بلکہ اگر اس قسم کی کوئی بات پیدا بھی ہو تو اسے وسوسہ کی جگہ اتار دے۔ اور خیال کرے کہ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ میں آسمان سے زمین پر گر جاؤں۔ یہ خیال جیسا کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا۔ صریح ایمان ہے۔ اس اطمینان کی نشانی یہ ہے کہ گناہ کی بے چینی اور اضطراب سے ہٹ کر توبہ کے سکون و مٹھاس اور مسرت کی طرف آ جائے۔ اس سلسلے میں یہ سوچ کر سہولت ہو گی کہ یہ لذت و حلاوت اور فرحت و سرور کا سہرا توبہ کے سر ہے۔ اس کی پہچان اُس کو ہوتی ہے جو دونوں باتوں کا ذائقہ چکھ چکا ہو۔ اور اس کے دل پر دونوں کے آثار وارد ہو چکے ہوں۔ لہٰذا توبہ سے وہ چین حاصل ہوتا ہے جو گناہ کی بے چینی کے مقابلہ پر ہے۔ اگر گنہگار اپنا دل جھانک کر دیکھے تو اس میں خوف، بے قراری، الجھن اور پریشانی وغیرہ پائے گا اگرچہ غفلت و شہوت کے نشے نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ یاد رکھو ہر شہوت کا ایک نشہ ہوتا ہے جو شراب کے نشے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح غصے کا نشہ شراب کے نشے سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی لئے عاشق اور غصے میں بھرا ہوا انسان ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جو مخمور نہیں کرتا۔ اسی طرح غفلت و اعراض کی بے چینی سے ہٹ کر توجہ الی اللہ کے چین کی طرف ذکر اللہ کی مٹھاس کی طرف اور محبت و معرفت کے روحانی تعلقات کی طرف آ جائے۔ غرضیکہ بغیر اس کے روح کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ ان سے محرومیت کی صورت میں روح انتہائی بے چین و مضطر ہوتی ہے لیکن اب تو غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جب یہ پردے اُٹھیں گے تو روح کی بے چینی بے نقاب ہو جائے گی۔

ایک لطیف نکتہ: اس مقام پر ایک لطیف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ تا کہ قارئین کرام محظوظ ہوں۔ وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کے ہر عضو کو ایک کمال بخشا ہے۔ اگر وہ کمال

اسے حاصل نہ ہوتو اسے بے چینی اوراضطراب رہتا ہےمثلاً آنکھ کا کمال دیکھنے پر ہےاور کان کا کمال سننے پراور زبان کا کمال بولنے پر۔پھر جب ان اعضا کے وہ قویٰ سلب ہو جائیں جن سے کمالات وابستہ تھےتو ان کے جاتے رہنے سے کمی اور بے چینی پیدا ہو جائے گی۔دل کا کمال اور دل کا سرور وعیش اوراس کی لذت وشگفتگی ،حق تعالیٰ کی معرفت پر اس کی محبت و انابت پر اوراس کی طرف شوق وتوجہ پر ہے۔جب دل اس دولت سے محروم ہو جاتا ہےتو سخت عذاب و بے چینی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔جیسے آنکھ اپنا نور کھوکراور زبان اپنی گویائی اور ذوق کھوکر سخت بے چین ہوجاتی ہے۔اس صورت میں کسی طرح سے بھی چین وقرار نہیں آتا۔گوتمام دنیا اس کے قبضے میں ہو۔اور وہ تمام دنیوی علوم کا ماہر کیوں نہ ہو۔لہٰذا جب تک حق تعالیٰ مقصود اعظم اورمحبوب ومعبود نہ ہو۔اس وقت تک چین نہیں آتا۔چین کے لئے حق تعالیٰ کی عبادت واستعانت بمنزلہ سر کے ہے۔ارباب تفاسیر کےاقوال کا مرجع یہی حقیقت ہے جو ہم نے بیان کی۔

ابن عباسؓ:۔اطمینان والی روح تصدیق کرنے والی روح ہے۔

قتادہؓ:۔وہ مومن جس کا دل اللہ کےوعدوں پر مطمئن ہے۔

حسنؒ:۔وہ روح جواللہ کی باتوں کی تصدیق کرتی ہے۔

مجاہدؒ:۔وہ روح جس نے اللہ کے رب ہونے کا یقین کرلیا اور اللہ کے حکم کے آگے جُھک گئی۔

منصورؒ:۔اس کے تعمیل احکام واطاعت سے اس میں ٹھنڈک پیدا ہوگئی۔

ابن ابی نجیحؒ:۔اللہ کے آگے جُھکی ہوئی اور اللہ کی ملاقات پر یقین والی روح۔

معلوم ہوا کہ نفس مطمئنہ کے سلسلے میں سلف کا کلام انھیں دو اصلوں کی طرف لوٹتا ہے کہ علم وایمان سے اطمینان ہواور ارادہ وعمل سے بھی۔

پھر جب شک سے یقین کی طرف، جہالت سے علم کی طرف ،غفلت سے ذکر کی طرف گناہوں سے توبہ کی طرف، ریا سے خلوص کی طرف، جھوٹ سے سچ کی طرف، سُستی سے چستی کی طرف، غرور سے عاجزی کی طرف۔ اکڑ سے فروتنی کی طرف اور بے عملی سے عمل کی طرف آ کر اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو روح کو چین مل جاتا ہے۔ان تمام باتوں کی جڑ بیداری ہے اور یہ نیکیوں کی بنیاد، کنجی ہے کیونکہ جسے آنے والی زندگی کی فکر نہیں اور اللہ کی ملاقات سے بے خبری ہے وہ بمنزلہ سونے والے کے ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔کیونکہ سمجھدار آدمی اللہ کے وعدوں اور ڈراوؤں سے اور رب کے حکموں اور ممانعتوں کے تقاضوں سے خوب آگاہ ہے۔لیکن ادراک حقائق سے اور انہیں عملی جامہ پہنانے سے دل کی اونگھ مانع ہے اور ایک نہ ختم ہونے والی غفلت کی نیند میں گرفتار ہے اور خواہشات کی بھول بھلیوں میں پھنسا ہوا ہے۔اور روز بروز غفلت و خواہش بڑھتی جاتی ہے۔اور اپنی بد عادتیں اور گمراہوں کی بُری صحبتیں اس پر غالب آتی رہتی ہیں اور وقت ضائع کرنے والوں میں شامل ہی رہتا ہے۔ تا کہ دوسرے سونے والوں کی طرح اور دیگر مخموروں کی طرح خود بھی سوتا ہوا اور مخمور ہے۔پھر جب کسی حقانی ڈانٹ سے یہ غفلت کی اونگھ دل سے دور ہوتی ہے تو اس واعظ کی جو ہر مومن کے دل میں موجود ہوتا ہے، ڈانٹ سے چونک کر اس کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔اور اس واعظ کی پیدا کردہ ہمت سے فکر کا پھاوڑا اٹھا کر تکبیر کا نعرہ بلند کر کے غفلت پر مارتا ہے جس سے ایسا زور پیدا ہوتا ہے جس سے اس کی آنکھوں کے سامنے جنت کے محل آ جاتے ہیں۔

الا یا نفس ویحک ساعدینی بسعی منک فی ظلم اللیالی
لعلک فی القیامۃ ان تفوزی بطیب العیش فی تلک العلالی

اے قلبِ مطمئن ہمیں بڑھنے دے ساتھ ساتھ کرنا ہے طے سفر ہمیں شبہائے تار میں
ہو گا حصولِ مقصد عالی ہمیں ضرور پہنچیں گے ہم کبھی نہ کبھی اُس بہار میں

لہٰذا اس فکر وغور سے ایسا نور پیدا کیا کہ اسے اس کی روشنی میں وہ تمام چیزیں نظر آ گئیں جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ بھی جن سے اسے موت کے بعد سے لے کر دارالقرار تک واسطہ پڑنے والا ہے۔اور اس نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ پلک جھپکنے میں دنیا ختم ہو جاتی ہے کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی۔اپنے چاہنے والوں کو قتل کر ڈالتی ہے۔اور ان کے اعضا کاٹ کر انہیں مثلہ بنا کر پھینک دیتی ہے چنانچہ وہ اس روشنی میں چونک کر عزم کے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور حسرت سے کہنے لگتا ہے۔(یاحسوتی علیٰ مافوطت الخ) ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے حق تعالیٰ کے جناب میں کی پھر باقی بیش قیمت زندگی میں اپنے نقصان کی تلافی پر تل جاتا ہے کہ آخرت کے جذبے کو جسے مار چکا تھا زندہ کر سکے۔ اپنی لغزشوں پر آٹھ آٹھ آنسو رو کر ان کی تلافی کر سکے۔اور زندگی کے باقی اوقات کو غنیمت سمجھ کر جو کچھ دوڑ دھوپ کی جا سکے کر لے۔ورنہ اگر خدانخواستہ یہ وقت بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔تو کفِ افسوس ملنے کے سوا رہ کیا جائے گا۔پھر اس بیداری کی روشنی میں اسے اپنے رب کی نعمتوں کی اپنے اوپر ریل پیل دکھائی دیتی ہے کہ نطفے سے لے کر اب تک دن رات رب کی نعمتوں میں پرورش پا تا رہا ہے اگر ان نعمتوں کو گننا چاہے تو گن بھی نہیں سکتا۔ایک معمولی سی نعمت سانس کی نعمت ہے جو روزانہ ۲۴ ہزار بار آتی جاتی ہے نعمتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔پھر وہ اسی روشنی میں دیکھتا ہے وہ نہ اللہ کی نعمتوں کا شمار کر سکتا ہے اور اگر اللہ پاک اپنی تمام نعمتوں کے حقوق کا مطالبہ کرے تو وہ ایک نعمت کا بھی حق ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔اب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ بجز اللہ کے فضل و کرم کے اور عفوو درگزر کے نجات کی کوئی صورت ہی نہیں ۔پھر اسی بیداری کی روشنی میں دیکھتا ہے کہ اگر وہ تمام جنوں اور انسانوں کے عملوں پر بھی قادر ہو تو وہ بھی اللہ کی عظمت وجلال کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔یہ بھی جب کہ عمل خود اس کی طرف

سے ہوں۔ حالانکہ عمل بھی محض اللہ کی توفیق اعانت کے رہین منت ہیں کہ اس نے ان کے اسباب فراہم فرما کر انھیں آسان بنایا اگر اس کی توفیق کارفرما نہ ہوتی تو ایک عمل بھی سرزد نہ ہوتا۔ اس روشنی میں اسے یہ بھی نظر آتا ہے کہ اعمال بھی میری طرف سے نہیں بلکہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اللہ ایسے عملوں کو قبول نہیں فرماتا جن میں بندوں کا یہ خیال ہو کہ یہ ہماری طرف سے ہیں کیونکہ ان کے نفسوں کی طرف سے تو بُرائی اور بُرائی کے اسباب ہی ظاہر ہوتے ہیں نیکیاں اللہ کی طرف سے ہیں کہ اللہ نے وہ بلا کسی معاوضے کے اپنی مہربانی سے بخش دی ہیں اب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا مربی و کارساز اور سچا معبود ہر قسم کی بھلائی کا حق دار ہے۔ اور میرا نفس ہر بُرائی کی جڑ ہے۔ یہی فکر تمام نیک عملوں کی جڑ ہے اور یہی صاحب فکر کو اصحاب الیمین۔ کے مقام تک بلند کرتا ہے۔

پھر اس بیداری کی روشنی میں اس کے لئے ایک اور بجلی چمکتی ہے۔ جس کی روشنی میں اسے اپنی برائیاں، اپنے عملوں کی خرابیاں، اپنے جرائم اور اپنے گناہ کہ کس کس طرح میں نے اللہ کی حرمتوں کے پردے پھاڑے اور کیسی کیسی حق تلفیاں کیں نظر آتے ہیں پھر جب ان گناہوں کا مقابلہ اللہ کی نعمتوں سے کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ منعم اعظم کے حق نے اس کی ایک نیکی بھی نہیں چھوڑی جس سے اپنا سر افتخار بلند کر سکے اس طرح اس کے دل کو راحت و چین نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر فروتنی پیدا ہو جاتی ہے اس کے اعضا جُھک جاتے ہیں، اور اللہ کی طرف سر جھکا کر اس حال میں بڑھتا ہے کہ ایک طرف تو اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے جرائم و عیوب دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اے رب تیری نعمتوں کا مشاہدہ کر کے اور اپنے گناہ دیکھ کر میں توبہ کرتا ہوں مجھے معاف کردے۔ گناہ تو ہی معاف فرماتا ہے میرے پاس کوئی نیکی نہیں۔ اور میں حقدار خیر و سعادت نہیں۔ ہاں تیری رحمت کا اُمیدوار اور

معافی کا طلب گار ہوں ۔اس خیال سے اسے دو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔اللہ کی نعمتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور اللہ کی فرماں برداری پر جم جاتا ہے پھر ایک اور کرن چمکتی ہے جس کی روشنی میں اسے اپنے وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے ۔کہ یہی اس کی سعادت کا سرمایہ ہے اس لیے رب کی اطاعت کے کاموں کے سوا اپنے وقت کا ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کرتا ۔کیونکہ اس کے ضائع کرنے میں حسرت وندامت اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے ۔ اور اسے اطاعت سے آباد رکھنے میں خیر وسعادت اور فائدہ ہی فائدہ ہے ۔لہذا اپنی عمر عزیز کا ایک سیکنڈ بھی ایسے کاموں پر ضائع نہیں کرتا جو آخرت میں کام نہ آئے ۔

مرا در منزلِ جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

محاسبہ نفس:

پھر وہ اسی روشنی میں بیداری کے محرکات دیکھتا ہے ۔یعنی توبہ کرتا ہے نفس سے روزانہ حساب لیتا ہے کہ آج کی تجارت میں کیا کھویا اور کیا پایا ۔اور ہمہ وقت چوکنا رہتا ہے ۔ اس کی غیرت رب کی نافرمانی برداشت نہیں کر سکتی ۔اسے شرم آتی ہے کہ غیر اللہ کو اللہ پر ترجیح دے اور اللہ کی رضا اور قرب وکرامت سے اسے جو حصہ ملا ہے اسے دنیوی کھوٹی پونجی سے بیچ دے ۔اور اپنی گردن کا مالک کسی معشوق کو یا خیال کو بنائے ۔یہ تمام بیداری کے آثار و اسباب ہیں اور یہی نفس مطمئنہ کی ابتدائی منزلیں ہیں ۔ جہاں سے اس کا اللہ کی طرف اور منزل آخرت کی طرف سفر شروع ہوتا ہے ۔

شاہ ولی اللہؒ کے دینی کارنامے

(پروفیسر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

شاہ صاحب کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے علمی جمود کو توڑا اندھی تقلید ترک کی ۔اندھی تقلید کا رواج کافی حد تک ہوا۔ براہ راست قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے دور کے مسائل کو کھنگالا۔اجتہاد کے بند دروازے کو کھولا اور فکر ونظر کی نئی راہیں ملت اسلامیہ کو عطا کیں فقہا اور اہل حدیث انتہا پسندی کا شکار تھے اور اسی وجہ سے عدل سے ہٹ چکے تھے عصبیت اور تنگ نظری سرایت کیے ہوئے تھے۔شاہ صاحب نے تمام فرقوں کی پسند و ناپسند کا لحاظ کیے بغیر ایک درمیانہ اور اعتدال کی راہ نکالی جو فی الاصل صحیح اسلامی راہ تھی۔آپ اپنے بارے میں خود ہی لکھتے ہیں۔

مجھ کو ایک ایسا ملکہ عطا فرمایا گیا ہے جس کی بدولت میں تمام عقائد و اعمال اور اخلاق و آداب کے متعلق یہ تمیز کرسکتا ہوں کہ عین حق کی اعلیٰ تعلیم جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے ارشاد ہوئی ہے وہ کیا ہے اور وہ کون سی باتیں ہیں جو بعد میں دین حنیف کے ساتھ چسپاں کردی گئی ہیں۔

ترجمہ قرآن: شاہ صاحب نے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کردیا۔یہ کام بھی ملت اسلامیہ کے لئے نیا تھا۔چنانچہ کئی طرف سے آپ کے خلاف احتجاج اور فتویٰ کی صدائیں بلند ہوئیں۔قاتلانہ حملے کئے گئے۔اور زندگی بھر آپ کے خلاف پراپگنڈا ہوتا رہا۔

فلسفہ کے اثرات اور تجدیدی کارنامے: اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی توجہ صرف ان مابعد طبیعی مسائل تک محدود تھی جن کا انسان کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ مثلاً آخرت، ملائکہ، حساب و کتاب اور جنت دوزخ لیکن بعد میں یونانی فلسفہ کے زیر اثر مسلمان فلسفیوں کا ذوق بگڑ گیا اور انھوں نے تجریدی فکر (Abstract Thought) کی طرف اپنی توجہ مبذول کر لی اور ان مسائل میں غور و فکر کرنے لگے جن کا تعلق عملی زندگی کی بجائے ذہنی تعیش سے تھا۔ افلاطون کی تصوریت، ارسطو کی منطق اور حقیقی کائنات سے متعلق غیر ضروری اور لا طائل بحثیں ان کا اصل موضوع بن گئیں اور یہ سب کچھ اس انداز میں ہوا کہ اسلام کے عقائد کو کھینچ تان کر اور توڑ مروڑ کر یونانی فلسفہ کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ بعد کے دور میں ویدانتی فلسفہ اور ایرانی اثرات کی آمد نے اور بھی غضب ڈھا دیا اور مسلمان حکماء کھلم کھلا دینِ اسلام میں تحریف کرنے لگے۔

خود وہ طبقہ جو خالصتاً دینی عقائد رکھتا تھا، وہ بھی اپنے آپ کو فلسفہ کے غلط اثرات سے نہ بچا سکا۔ منطق، فلسفہ اور معقولات کی اکثر کتابیں جو آج تک بھی دینی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں اس دور کی پیداوار ہیں۔ غضب یہ ہے کہ مدرسوں میں نام تو دینی تعلیم کا ہی لیا جاتا ہے اور پڑھائی جاتی ہیں حمد اللہ اور قاضی مبارک جیسی بیہودہ تصانیف علماء میں ایک طبقہ اپنے آپ کو منطقی اور معقولی کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگا۔

یہ شاہ صاحب کا بہت بڑا کام ہے کہ انھوں نے امام غزالیؒ کی طرح فلسفی ہونے کے باوجود علماء کی توجہ فلسفہ سے ہٹا کر قرآن و حدیث کی طرف مبذول کرائی اور اسلامی فلسفہ کو یونانی اور ویدانتی فلسفہ کے اثرات سے بہت حد تک پاک کیا۔ آپ کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کے بارے میں مولانا مودودیؒ کی رائے بہت اہم ہے۔

''انھوں نے (شاہ صاحبؒ نے) مابعدالطبیعی مسائل سے ابتدا کی ہے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص پورے فلسفہ اسلام کو مدوّن کرنے کی بنیاد ڈال رہا ہے ۔اس سے پہلے مسلمان جو کچھ فلسفہ میں لکھتے اور کہتے رہے ہیں اس کو محض نا دانی سے لوگوں نے فلسفہ اسلام کے نام سے موسوم کر دیا ہے، حالانکہ وہ فلسفہ اسلام نہیں فلسفہ مسلمین ہے ،نہایت عمدہ وقابلِ قدر فرق ہے۔جس کا شجرۂ نسب یونان وروم اور ایران وہندوستان سے ملتا ہے۔فی الواقع جو چیز اس نام سے موسوم کرنے کے لائق ہے اس کی داغ بیل سب سے پہلے اسی دہلوی شیخ (شاہ ولی اللہؒ) نے ڈالی ہے۔(میں کہتا ہوں کہ صرف داغ بیل ہی نہیں بلکہ اس پر عمارت بھی کھڑی کر دی ہے)۔اگر چہ اصطلا حات وہی قدیم فلسفہ وکلام یا فلسفیانہ تصوف کی زبان سے لی ہیں اور غیر شعوری طور پر بہت سے تخیلات بھی وہیں سے آ گئے ہیں جیسا کہ اول اول ہر نئی راہ نکالنے والے کے لئے طبعاً نا گزیر ہے۔مگر پھر بھی تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھولنے کی یہ ایک بڑی زبردست کوشش ہے۔

خصوصاً ایسے شدید انحطاط کے دور میں اتنی طاقت ورعقلیت کے آدمی کا ظاہر ہونا بالکل حیرت انگیز ہے''۔

تشکیلِ جدید کا حل: شاہ صاحب کا دور اٹھارویں صدی عیسوی کا دور ہے جبکہ یورپ میں تحریک احیائے علوم زوروں پر تھی ۔سائنس اور فلسفہ نے عیسائی مذہب کو پچھاڑ دیا تھا،لیکن عیسائیت کی یہ شکست دراصل صرف عیسائیت تک محدود نہ رہی بلکہ اس کو''مذہب'' کی شکست قرار دے دیا گیا اور تمام آسمانی مذاہب جس میں کہ اسلام اور یہودیت بھی شامل ہیں، کے مابعدالطبیعی عقائد جھٹلائے جانے لگے۔چرچ کی نفرت اس انتہا کو پہنچی کہ اس کے بدلے صحیح مذہبی علماء سے لئے جانے لگے۔خدا،نبوت،آخرت،فرشتے،وحی، جنت ودوزخ غرضیکہ تمام

دینی عقائد کا سائنس اور فلسفہ کے نام پر مذاق اُڑایا جانے لگا۔

اس تحریک کے اثرات برطانوی استعمارات کے ذریعہ ہندوستان میں پہنچنے لگے اور ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی تشکیک و الحاد کا شکار ہونے لگا۔

شاہ صاحب نے اس بڑھتے ہوئے فتنے کا مقابلہ کیا۔ آپ کی تصانیف خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ میں اسی دور کے تمام ذہنی شکوک کا علاج موجود ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ کتابیں آج بھی ایمان پرور ہیں۔

شاہ صاحب نے صرف مغربی فلسفہ کا توڑ ہی پیش نہیں کیا، بلکہ اسلامی فلسفہ کی ایک عظیم الشان عمارت بھی کھڑی کر دی جس میں مابعدالطبیعات۔ اخلاق، نفسیات، تصوف، معاشیات اور عمرانیات خوبصورت بنیادوں پر استوار ہیں، اور یہ فلسفہ جدید دور کے تمام سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

فلسفہ معاش: شاہ صاحب سے پہلے معاشیات کے بارے میں غور و فکر کرنا فلسفیوں کا دستور نہ تھا۔ مسلم فلاسفہ اسے دنیاداری پر محمول کرتے تھے۔ فلسفہ سے مراد یہی کچھ لیا جاتا تھا کہ خیالی اور آسمانی باتوں میں سر کھپایا جائے خواہ زمین کا انسان بھوکوں مر رہا ہو۔ شاہ صاحب پہلے مفکر ہیں جنھوں نے فلسفہ معاش کو باضابطہ طور پر اسلامی فلسفہ کے جزو کی حیثیت سے پیش کیا۔ وہ پہلے مفکر ہیں جو مزدور، کسان اور محنت کش کے مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں بتلاتے ہیں۔ وہ باقاعدہ معاشی طبقات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور امرا کو اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اگر انھوں نے غرباء کے ساتھ ناانصافی کا سلوک جاری رکھا تو آخرت سے پہلے اس دنیا میں اُنھیں انقلاب سے دوچار ہونا پڑ جائیگا۔ ان کی کتابوں خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ میں روسی اور چینی انقلاب کی پیشگوئی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدقسمتی سے لوگوں نے انھیں

بھی اشتراکی مفکر قرار دے دیا۔ حالانکہ دراصل وہ لوگوں کو دو سو سال پہلے اشتراکیت کے نظامِ بد سے ڈرا رہے تھے۔ انھوں نے جو معاشی اصول بیان کئے ہیں۔ وہ نہ تو سرمایہ دارانہ ہیں اور نہ اشتراکی بلکہ وہ خالصتاً اسلامی ہیں اور قرآن وحدیث سے ماخوذ۔ یہ انسانیت کی بدنصیبی ہے کہ ان اصولوں پر نہ تو سرمایہ دارانہ نظام رکھنے والوں نے عمل کیا اور نہ اشتراکیوں نے۔ بیچارہ محنت کش پہلے سرمایہ دارانہ نظام سے کراہ رہا تھا اور اب اشتراکی آمریت کے نیچے سسک رہا ہے ان لوگوں کے لئے جو شاہ صاحب میں اشتراکیت کے جراثیم ڈھونڈتے ہیں یہ بات بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شاہ صاحب کا تعلق محنت کشوں سے نہیں بلکہ ان کا تعلق متوسط طبقہ اُمرا سے تھا۔ آپ بہت زیادہ مخیّر تھے اور اکثر مسکینوں، ناداروں اور ضرورت مندوں کی بھرپور امداد فرماتے تھے۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے، انتہا درجہ کے مہمان نواز تھے انتہائی غیرت منداور سیر چشم تھے۔ آپ نے کبھی شاہان وقت کی طرف چشمِ ارادت سے نہ دیکھا۔

نظامِ اسلام کا تصور: وہ کام جس میں شاہ صاحب اپنے پیشروؤں سے بازی لے گئے ہیں وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی، سیاسی، سماجی اور معاشی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اگرچہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی تین چار صدیوں میں بہت سے ایسے ائمہ گزرے ہیں جن کے ذہن میں اسلام کے نظامِ حیات کی مکمل تصویر نظر آتی ہے اور بعد کی صدیوں میں بھی بعض ایسے محققین ملتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت کے ساتھ سائنٹفک طریقہ پر اسلامی نظام کو بحیثیت ایک مکمل نظام کے مرتب کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ان کے ہاں دین کے اجتماعی تصور سے زیادہ انفرادی تصور نمایاں ہے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ میں اس موضوع پر کامیابی سے قلم اٹھایا ہے۔

رائج تصوف کی اصلاح: شاہ صاحب کے دور تک اسلامی تصوف میں مشرکانہ عقائد، بدعات اور خرافات کی ملاوٹ ہوگئی تھی ۔ ویدانتی فلسفہ، عیسائیوں کی رہبانیت اور ایرانی نظریات شامل ہو گئے تھے۔ ہر چند کہ مجدد الف ثانیؒ نے تصوف کی تطہیر کی اور ہندوستان میں اسلام کی تجدید کی لیکن شاہ صاحب کے دور تک یہ بُرائیاں پھر آن گھسی تھیں۔شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں تصوف کی حقیقت کھول کر بیان کی اور یہ واضح کیا کہ شریعت اور طریقت دو الگ الگ راستے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔

شاہ صاحب کے دور میں متصوفین دنیا داری کے شکار ہو چکے تھے۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جو خالصتاً اللہ کی طرف لوگوں کو بُلا تے ہوں۔ اکثر لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ اُنھوں نے اپنی خانقاہوں کو مال و جاہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔شاہ صاحب نے انہی لوگوں کو مخاطب کر کے التفہیمات الالٰہیہ میں لکھا ہے۔فرماتے ہیں:

"اے وہ لوگو! جو آباؤ اجداد کی رسوم کو بغیر کسی استحقاق کے اختیار کیے ہوئے ہو۔ یعنی تم اپنے اسلاف کی روحانیت اور حقیقی تصوف اخذ کرنے سے تو قاصر رہے۔فقط ان لوگوں کو ظاہری شعائر و علامات کو بزرگی کا معیار سمجھ رکھا ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کس بنا پر تم نے تشتت و افتراق اختیار کر کے ٹولیاں بنا رکھی ہیں اور ہر ایک اپنی ہی کہے جاتا ہے۔جس طریقہ کو اللہ تعالی نے اپنے رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعے نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے ہمیں جو راستہ دکھایا تھا (جو اس کی بارگاہ اقدس تک پہنچنے اور اسکی خوشنودی حاصل کرنے کا سیدھا راستہ تھا)اس کو چھوڑ کر تم میں سے ہر ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اس طرف بُلا رہا ہے جس راستہ پر وہ خود چل رہا ہے۔ بزعم خود وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں کا راہ نما سمجھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہے

اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے۔ ہم ان کو سخت کراہیت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو دوسروں کو محض اس لیے مرید بناتے ہیں کہ ان سے ٹکے وصول کریں۔ تصوف کی چادر اوڑھ کر وہ ٹٹی (اوٹ، پردہ، حجاب) کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں کیونکہ جب تک کوئی اہل دین وتقویٰ کی شکل وشباہت اور ظاہری وضع قطع اختیار نہ کرے، مرجع خلائق بننا اور جیبوں کو پُر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ میں ان لوگوں کو نظرِ کراہت واستحقار دیکھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نہیں، بلکہ خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اپنے عقیدت مندوں کو اپنی رضا اور خوشنودی کی پابندی کا حکم دیتے ہیں۔ یعنی ان کو اس وضع کا بنانا چاہتے ہیں۔

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

وہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں وہ دین کے رہزن ہیں۔ یہ لوگ دجال، فتّان اور کذاب ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو فتنے میں ڈالا گیا ہے۔ (یعنی نفس اور شیطان کے فتنہ میں مبتلا ہیں۔ جن کے پنجہ سے مخلصی حاصل کرنا تصوف کا پہلا سبق ہے)''۔

اتنا لکھ کر پھر عام مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں! خبردار خبردار کسی ایسے شخص کی پیروی نہ کرنا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی دعوت نہ دیتا ہو بلکہ اپنی طرف سے (اپنے اختراعی مسلک کی طرف) بلاتا ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی مجالس میں اہل سکر صوفیاء کی شطحیات کا ذکر نہ کریں۔ (جس طرح کہ منصور حلاج سے "انا الحق" کہنا منقول ہے۔ یا بعض صوفیاء "ہمہ اوست" لکھتے ہیں) تصوف کا مقصد صرف زبانی جمع خرچ نہیں، اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انسان کو احسان کا مقام حاصل ہو۔

عقلیت ۔۔۔۔۔بطور ذریعہ تعلیم

(جاوید اکرم اسدی)

عقلیت (Rationality) تاریخ فلسفہ میں ایک ایسی تحریک ہے ، جسے روشن خیالی یا جدیدیت کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔عقلیت کے نظریہ میں عقل کے استعمال سے تنقیدی سوچ اور تحقیق و تفتیش کو پروان چڑھانے کی سعی کی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اب تک جتنے علوم نے بھی ارتقاء کی منازل طے کی ہیں وہ سب عقل ہی کے مرہون منت ہیں ۔عہد جدید میں عقلیت کے علم برداروں میں جدید فلسفہ و ریاضی کے بانی رینے ڈیکارٹ ، سپائی نوزا، لائبنز ،کانٹ اور ہیگل سر فہرست ہیں جنھوں نے عقلی بنیادوں پر تمام علوم کو استوار کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔اور ان میں عصر حاضر کے تمام علوم بشمول فزکس ،کیمسٹری ،بیالوجی ،فلکیات ،ریاضی،نفسیات،اقتصادیات،سیاسیات،سماجیات اور نشریات وغیرہ شامل ہیں ۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم کے میدان میں عقلیت سے مراد کیا ہے؟تو اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ''عقلیت سے مراد استدلال کے ذریعہ علم حاصل کرنا ہے۔''اسی طرح عقل ایک ایسا بنیادی ماخذ ہے جو روزمرہ زندگی میں انسان کو ہر طرح کے فیصلے کرنے اور نتائج اخذ کرنے میں مدد دیتی ہے اور ان تمام فیصلوں اور نتائج میں عقل کو ایک ایسے محرک کے طور پر بطور وسیلہ لیا جاتا ہے جس میں ایک پہلو کو مدنظر رکھنے کے بجائے کثیر پہلو نقطۂ ہائے فکر سے زندگی کے تمام مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس طرح طلباء کو ایسی صلاحیت پیدا کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے جس سے وہ اپنے اردگرد موجود معاملات و مسائل کو جذباتی انداز میں حل کرنے کے بجائے فکری بنیادوں پر حل کریں ۔جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ طلباء عقلیت پسندی کو بطور ذریعہ علم اپناتے ہوئے اندھی تقلید ،تنگ نظری،تعصب،تشدد پسندی اور

توہم پرستی جیسے تصورات پر قابو پاتے ہوئے ایک پر امن معاشرہ تشکیل دینے میں معاون ثابت ہوں گے۔ یہاں اس بات کا سمجھنا اور بھی ضروری ہوجاتا ہے کہ طلبہ فکری بنیادوں پر استدلال کس طرح کریں،تو اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ منطقی طور پر استدلال دو طرح کا ہوتا ہے۔

استخراجی (Deductive)   استقرائی (Inductive)

استخراجی طرز فکر میں پہلے اور دوسرے یعنی دو جملوں سے ایک نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے، جو پہلے دو جملوں میں ہی چھپا ہوا ہوتا ہے۔ مثلاً پہلا جملہ "تمام انسان فانی ہیں" اور دوسرا جملہ "شاہد ایک انسان ہے"۔ ان دونوں جملوں میں ہی سے ایک تیسرا جملہ نکالا جائے گا جو نتیجہ کہلائے گا جو کچھ اس طرح ہوگا کہ "لہٰذا شاہد بھی فانی ہے" آسان طریقے سے اسے یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ استخراجی طریقہ فکر میں ہم نے جو بات سمجھی وہ یہ ہے کہ ہر طرح کے مسائل کو عمومی یا کلی طور پر لیا جاتا ہے اور ان سے بتدریج ایک نتیجہ یا حل نکالا جاتا ہے۔ اس فکری طریقہ کے ذریعہ طلباء کو بھی اسی طرز فکر پر معاملات زندگی حل کرنے کی تربیت دی جاسکتی ہے۔ اس کے برعکس فکر کے استقرائی استدلال میں اول انفرادی اور جزوی طور پر حقائق کا پتہ لگایا جاتا ہے اور پھر بتدریج کل یا تمام کے بارے میں نتیجہ ہے۔ مثلاً باقی سب لوگ بھی فانی ہیں۔ اس مثال کے ذریعہ ہم نے پہلے ایک انسان کو مرتے ہوئے دیکھا پھر دوسرے کو، پھر تیسرے کو اور بالآخر چھلانگ لگا کر تمام انسانوں کے بارے میں ایک کلی رائے قائم کرلی کہ تمام انسان فانی ہیں۔ اس طرز فکر کو سائنسی طریقہ کار بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جدید سائنس نے اس طریقہ استدلال کو اپناتے ہوئے بام عروج حاصل کیا ہے۔ اس طرز فکر کے ذریعہ طلباء کو اس قابل بنانے کی کوشش کی جانی چاہئے کہ وہ اپنے اردگرد موجود اشیاء اور معاملات و مسائل کو انفرادی اور جزوی طور پر سمجھیں اور آخر کار عمومیت یا کلیت کی طرف بڑھتے ہوئے ان کا حل تلاش کریں۔

اسی لیے تو رینے ڈیکارٹ نے کہا تھا کہ "I think therefore I am" میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں۔نظریہ علم میں اس عقلی مقولہ کو بطور ایک عقلی مثال کے پیش کیا جاتا ہے۔

اگر ہم اسلامی فکر و فلسفہ کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔ان کو عقلی بنیادوں پر اس کائنات کو سمجھنے اور بیان کرنے کی دعوت دی جاتی ہے بلکہ عقلی بنیادوں پر حاصل کردہ علم کو انسان کی فلاح و بہبود کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔تاہم اسلام میں عقل یا Reason کے برعکس حکمت کا لفظ بھی متعارف کروا دیا جاتا ہے جو اپنے معنی و مفہوم کے حوالے سے کافی وسیع پہلو رکھتا ہے۔اور حکمت سے مراد علم و فکر سے پیدا ہونے والی بصیرت (vision) لی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ''جسے حکمت عطا کی اسے بہت بڑی بھلائی سے نوازا گیا۔''یہاں تک کہ تمام پیغمبران مذاہب کی ابتدا بھی غور، سوچ بچار اور تفکر سے ہوتی ہے۔

درج بالا بحث کے بعد اسی تناظر میں اگر پاکستان میں موجود تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ پاکستان کا نصاب تعلیم، طلباء اور اساتذہ کی ایک صورت گری نہیں کی گئی کہ جس کے بعد طلباء میں تنقیدی سوچ بچار اور مسائل کا فکری طور پر حل نکالنے کی صلاحیت موجود ہو۔آج بھی ہمارے تعلیمی اداروں میں یا تو ذہنی غلام بنائے جا رہے ہیں یا ایسے نوجوان تیار کیے جا رہے ہیں جن کا مطمع نظر روزی کے لئے محض ڈگری کا حصول ہے۔لہٰذا ہمیں عقل کی عینک لگا کر یہ دیکھنے کی ضرورت ہے اور ایک دن ہم ضرور دیکھ بھی لیں گے کہ ہمیں شعور و فہم کی نرم روشنی سے ہی بچے کی ابتداء کرنی چاہیے تھی۔کیوں کہ عالم گیریت کے اس دور میں پاکستان کو رٹے بازوں کی نہیں بلکہ غور و فکر کرنے والی، ادراک رکھنے اور عملی ذہانت والی نسل کی ضرورت ہے۔

انسان کی تلاش

(وحیدالدین خان)

انسان کے اندر ایک عجیب خصوصیت ہے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں وہ ہے لامتناہی تلاش کا جذبہ۔ ہر آدمی اپنے پیدائشی جذبہ کے تحت ایک ایسی نامعلوم چیز کی تلاش میں رہتا ہے جس کو اس نے پایا نہیں کوئی بھی کامیابی اس کو اس طلب کے بارے میں مطمئن نہیں کرتی کوئی بھی ناکامی اس کے اندر سے اس جذبہ کو فنا نہیں کر پاتی فلاسفہ اس کو آئیڈیل کی طلب کہتے ہیں۔

یہ آئیڈیل کی طلب ہی تمام انسانی سرگرمیوں کی حقیقی اور آخری قوت محرکہ ہے اگر یہ طلب نہ ہو تو دنیا کی تمام سرگرمیاں اچانک ٹھپ ہو کر رہ جائیں انسانی ذہن کی یہی وہ زبردست طلب ہے جس کو فرائڈ نے غلط طور پر جنسی خواہش سے تعبیر کیا ایڈلر نے اس کو غلط طور پر حصول طاقت کی خواہش قرار دیا میک ڈوگل نے غلط طور پر کہا کہ یہ انسان کی تمام حیوانی جبلتوں کے مخلوطہ کا ایک پراسرار نتیجہ ہے مارکس نے اس کو غلط طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی یہ کہ انسانی زندگی کی معاشی خواہش ہے اور یہی اس کی تمام سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی ہے مگر ان توجیہات کو غلط قرار دینے کے لیے یہی واقعہ کافی ہے کہ یہ چیزیں جن لوگوں کو پوری طرح ملیں وہ بھی مطمئن نہ ہو سکے ان کی اندرونی ہستی بھی اسی طرح بے چین رہی جس طرح ان چیزوں سے محروم رہنے والے بے چین نظر آتے ہیں۔

انسان ہزاروں برس سے اپنے اس آئیڈیل کو دنیا کی چیزوں میں تلاش کر رہا ہے مگر

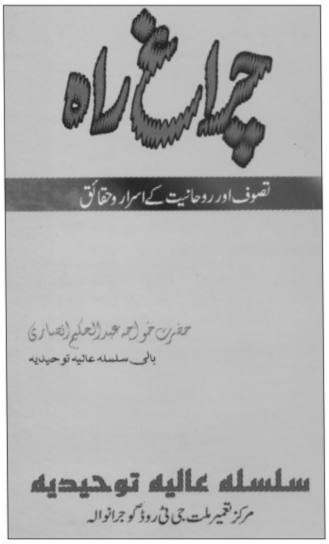
کوئی بھی شخص اس اطمینان سے دو چار نہیں ہوا کہ اس نے اپنی تلاش کا مکمل جواب پا لیا ہے اس معاملہ میں بادشاہ یا امیر بھی اتنا ہی غیر مطمئن رہتا ہے جتنا کوئی بے زور اور مفلس آدمی۔ یہ لمبا تجربہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ نظر آنے والی دنیا میں آدمی کی تلاش کا جواب موجود نہیں۔ اس کا جواب اس نظر نہ آنے والی دنیا میں ہے جس کو آدمی محسوس تو کرتا ہے مگر دیکھ نہیں پاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ طلب خدا کی طلب ہے آدمی جس آیڈیل کو پانے کے لیے بے قرار رہتا ہے وہ خود اس کا خالق ہے ہر آدمی جس چیز کی تلاش میں ہے وہ دراصل وہ خدا ہے جو اس کی روح میں سمایا ہوا ہے ہر آدمی اپنی فطرت کے تحت مسلسل خدا کی جستجو میں رہتا ہے وہ اپنے اس اندرونی جذبہ کے تحت دنیا کی مختلف چیزوں کی طرف دوڑتا ہے اور سمجھتا ہے کہ شاید یہ چیز اس کی تلاش کا جواب ہو مگر جب وہ اس کو پالیتا ہے اور قریب سے اس کا تجزیہ کرتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز وہ نہیں جس کی تلاش میں وہ سرگرداں تھا۔

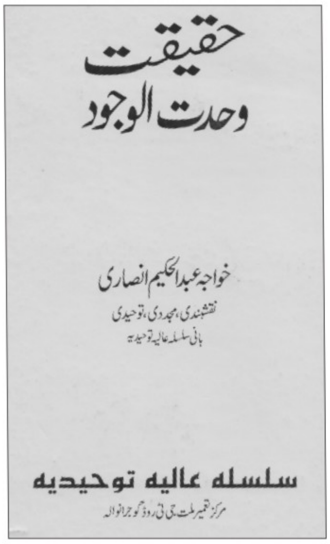
دلوں کی اصلاح

ہمارے مرشد نے روحانی قوت سے دلوں کی اصلاح کرنے کے لئے ہی سلسلہ توحیدیہ قائم کیا ہے۔ آپ بھی سلسلہ کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر مجسم پیار و پریم بن کر اللہ کی محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت والے دین کے علم بردار بن کر آگے بڑھیں۔ اس سے اچھا دنیا میں کوئی کام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ کی راہ پر ڈال دیا جائے تا کہ اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ (مقصود حیات صفحہ 196)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اورتصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com